قرآن کریم اور سنّتِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام کی تعلیمات کا علمبردار

بینات

جلد: ۸۹ شمارہ: ۳
ربیع الاول: ۱۴۴۷ھ - ستمبر: ۲۰۲۵ء
قیمت فی شمارہ: ۷۰ روپے، زرِ سالانہ: ۸۰۰ روپے

مُدیر، مُدیرِ مسئول
مولانا سید سلیمان یوسف بنوری

نائب مُدیر
مولانا سید احمد یوسف بنوری

مُدیرِ معاوِن
مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ

خط و کتابت اور ترسیلِ زر کا پتہ

دفتر ماہنامہ ''بینات'' جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ بنوری ٹاؤن
کراچی، پوسٹ کوڈ: 74800، پوسٹ بکس نمبر: 3465
فون دفتر ''بینات'': 021-34927233

اکاؤنٹ نمبر

اکاؤنٹ نمبر: 0101900-397-7 برانچ کوڈ: 00816
مسلم کمرشل بینک علامہ بنوری ٹاؤن برانچ کراچی

بیرونِ ملک سے بذریعہ ہوائی ڈاک

یورپ اور امریکی ممالک، وغیرہ: 50 امریکی ڈالر
عرب اور ایشیائی ممالک، وغیرہ: 40 امریکی ڈالر

وضاحت

ماہنامہ ''بینات'' میں اشتہارات کی اشاعت کا مقصد تصدیق اور سفارش نہیں ہے۔ ادارہ معاملات کا ذمہ دار نہیں ہوگا۔

جامعۃ العلوم الاسلامیۃ
علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن

فون: 34913570 - 34123366 - 34121152 **Ext.** 146 - 147
فیکس: + 92-21-34919531
Web: www.banuri.edu.pk ***Email***: bayyinat@banuri.edu.pk

ناشر: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری **مطبع:** شفق پرنٹنگ پریس **طابع:** حافظ ثناء اللہ واحدی

فہرستِ مضامین

بصائر وعبر

تحفظِ ختم نبوت اور وطنِ عزیز پاکستان!	۳	
جشنِ آزادی، مگر کیسے؟! ... شعائرِ اسلام کی توقیر ضروری ہے!	۴-۶	محمد اعجاز مصطفیٰ
صوبہ خیبر پختون خوا، گلگت، آزاد کشمیر میں سیلابی صورت حال	۶	

مقالات ومضامین

مکاتیبِ اکابرؒ بنام حضرت بنوریؒ	۸	انتخاب: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری
حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے ''رسالۂ تصوفِ فاروقِ اعظمؓ'' سے خلاصۂ تصوّف	۱۴	تشریح: مولانا یحییٰ نعمانی
حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی رحمۃ اللہ علیہ بحیثیت سیرت نگار	۲۱	ڈاکٹر شاکر حسین خان
تلاوتِ قرآن کی تصحیح اور دُرستی کی اہمیت وضرورت	۳۶	مفتی محمد عاصم کمال قاسمی
اکابر کا مقامِ زہد وقناعت	۴۲	مولانا محمد راشد شفیع
دینِ اسلام میں خاندانی نظام ... اہمیت وبرکات	۴۶	مولانا محمد عرفان اللہ اختر

یادِ رفتگان

حضرت مولانا سید محمود میاں رحمۃ اللہ علیہ	۴۹	مولانا قاری تنویر احمد شریفی

دار الافتاء

قدیم تعمیر شدہ مساجد کی شرعی وقانونی حیثیت!	۵۳	ادارہ

نقد ونظر

برِصغیر میں فقہ حنفی کا ارتقاء (۱۵۲۶ء تا ۱۹۰۰ء)	۶۳	ادارہ

تحفظِ ختمِ نبوت اور وطنِ عزیز پاکستان!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ وسلامٌ علٰی عبادہ الذین اصطفٰی

قیامِ پاکستان کے ۲۶ ؍سال بعد ۷؍ستمبر ۱۹۷۴ء کو اسلامیانِ پاکستان کو سب سے بڑی اور حقیقی خوشی یہ حاصل ہوئی کہ تقریباً ایک صدی کی جدوجہد کے بعد کسی آزاد اسلامی جمہوری ملک میں مسلمانوں کے اہم ترین عقیدہ ''ختمِ نبوت'' کو آئینی تحفظ میسر آیا۔ تحریکِ ختمِ نبوت کی امارت کا اعزاز عالمی مجلس تحفظِ ختمِ نبوت کے مرکزی امیر محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کو حاصل تھا اور پارلیمان میں علماء امت کی ترجمانی کا شرف حضرت مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ کو نصیب تھا، جبکہ دیگر تمام مسالک کے علماء کرام میدانِ عمل اور پارلیمان میں ان ہر دو بزرگوں کے شانہ بشانہ تھے، اس مشترکہ مخلصانہ محنت کی بدولت اللہ تعالیٰ نے یہ کامیابی مقدر فرمائی۔
حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ اس باب میں اپنے استاذِ گرامی قدر امام العصر حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے صحیح علمی و فکری جانشین تھے، جنھیں قادیانی فتنے کی زہرناکی نے بسمل کی طرح تڑپائے رکھا اور آپ چھ ماہ تک راتوں کو اس فکر میں گھلتے رہے کہ اس فتنے کا سیلاب دینِ اسلام کے گلشن کو نہ اُجاڑ دے، یہ تڑپ آپ کو سونے نہ دیتی تھی۔
یہی درد و احساس اور اضطراب حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ میں منتقل ہوا اور آپ کی فکرمندی اور نالۂ نیم شبی کے صدقے قادیانیت کے فتنے کو پاکستان میں آئینی طور پر بھی غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا۔ قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دلانے کے بعد آپؒ نے علمائے کرام اور مخلص مسلم عوام کو اس جانب متوجہ فرمایا کہ اس فتنے کے مکمل خاتمہ کے

لیے قادیانیوں کو دعوتِ اسلام دی جائے، انھیں آنحضرت ﷺ کے دامنِ رحمت میں لانے کی محنت کی جائے، قادیانی وساوس کا شکار عوام کے شبہات رفع کیے جائیں۔ آپؒ نے ایک موقع پر مسلمانوں کو اس کام کی تحریض و ترغیب دلاتے ہوئے ارشاد فرمایا:

’’ہم تمام مسلمانوں سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ اپنے تمام فروعی اختلافات ہمیشہ کے لیے بھلا کر تبلیغِ اسلام اور ردِمرزائیت میں مشغول ہوجائیں۔‘‘

(ماہنامہ بینات، شعبان المعظم ۱۳۸۷ھ۔ بصائر وعبر، حصہ دوم، صفحہ: ۲۰۷)

چنانچہ آپؒ نے خود بھی پاکستان اور بیرونی ممالک کے دورے کر کے وہاں مجلس تحفظِ ختمِ نبوت کی شاخیں قائم فرمائیں اور اپنے تربیت یافتہ شاگردوں کو بھی اندرون و بیرونِ ملک اس کام میں لگائے رکھا، انھیں اس کام کے مفید و مؤثر طریقے وضع کر کے دیے اور دوسری مثبت و کارآمد ترتیبات قائم فرمائیں۔

اس فیصلے کو تقریباً اکیاون سال ہوچکے ہیں اور یہ مہینہ بھی ستمبر ہی کا ہے، اس لیے ہم سب مسلمانوں کے لیے بہت ضروری ہے کہ اپنے ان اکابر کی محنتوں اور ان کے عملی طریقوں کو سامنے رکھ کر دامے، درمے، قدمے، سخنے اس کام میں لگ جائیں، تاکہ یہ فتنہ اندرون و بیرونِ ملک اپنے بیخ و بن سے ختم کیا جاسکے، اور اپنے مسلمان بھائیوں کے دین و ایمان کی حفاظت ہوسکے۔

جشنِ آزادی ...... مگر کیسے؟

۱۴؍اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان کا قیام اپنے اس مبینہ مقصد کے تحت ہوا تھا کہ ہم کفار کے تسلط سے آزاد ہو کر ایک آزاد اسلامی فلاحی ریاست بنائیں گے، جہاں حضور اکرم ﷺ کی تعلیمات خطۂ ارضی پر اُسوۂ حسنہ بن کر اُبھریں گی، الحمد للہ! کچھ حد تک اس پر عمل درآمد بھی ہوا، جیسا کہ قراردادِ مقاصد اور ۱۹۷۳ء کا آئین ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ۱۴؍اگست کو تجدیدِ عہدِ وفا کریں اور اسلام کے نفاذ کے لیے اقدامات کو عملی طور پر آگے بڑھائیں اور جو بھی رکاوٹیں درپیش ہیں، ان کو حکمت، تدبر اور فہم و فراست سے دور کرنے کی کوششیں کریں، اس کے ساتھ ساتھ آزاد اسلامی وطن میں آزادی کی سانسیں لیتے ہوئے ہمیں بارگاہِ خداوندی میں سجدہ ریز ہونا چاہیے، گناہوں سے توبہ و شرمندگی کے احساس کو بیدار کر کے آئندہ کی زندگی کا سفر معصیت اور لہو و لعب سے پاک شروع کرنا چاہیے، اور جس مقصد کے تحت پاکستان کا قیام عمل میں آیا تھا، اس کے لیے ہمیں عملی جدوجہد کرنی چاہیے، اس لیے کہ غلامی سے بڑھ کر کوئی ذلت و خجالت اور آزادی سے بڑھ کر کوئی نعمت و انعام نہیں۔ قرآن کریم

میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبانی بھی اور براہِ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے بار بار بنی اسرائیل کو یہ انعام یاددلایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمھیں فرعون کے طوقِ غلامی سے نجات دلائی۔فرعون نے جو مظالم بنی اسرائیل پر ڈھائے تھے، انگریز نے ہندوستانیوں خصوصاً مسلمانوں پر اس سے کم نہیں ڈھائے، اس لیے مسلمانوں کا انگریز کی غلامی سے نجات پانا بنی اسرائیل کی آزادی کی نعمت سے کم نہیں تھا۔

ہونا یہ چاہیے تھا کہ آزادی کی نعمت پر خوشی کا اظہار بھی جواز کے دائرے میں ہو،لیکن اس سال تو بعض مؤقر جرائد کے توسط سے یہ خبر سامنے آئی کہ جشنِ آزادی منانے کے نام پر لاہور کی ایک تقریب میں ایسی ایسی خرافات اور مخربِ اخلاق افعال وحرکات کی گئیں کہ جن سے شریف انسان اور باشعور وباحیا آدمی کی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔کیا اس طرح کے اعمال کرنے والے اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت نہیں دے رہے؟! کیا ان لوگوں نے ایسی بے ہودہ تقریبات کے لیے حکومت سے اجازت لی تھی؟ اگر اجازت لی تھی تو کن شرائط پر؟ اور اگر صاحبانِ اختیار کو ان تمام خرافات کا علم تھا تو ان کو اجازت کیوں دی؟ یا علم نہیں تھا تو علم میں آجانے کے بعد ان کے خلاف کیا کارروائی کی گئی؟

کہیں ایسا تو نہیں کہ کچھ کالی بھیڑیں ہمارے پیارے ملک کا چہرہ مسخ کرنے کے لیے ملک دشمنوں کے ہاتھوں کھیل رہی ہوں؟! بہرحال کچھ بھی ہو، ہماری حکومت، ریاست اور انتظامیہ کو چاہیے کہ اس بے حیائی کو فروغ دینے میں جو لوگ بھی ملوث ہوں، ان کو گرفتار کر کے قرار واقعی سزا دی جائے، تاکہ آئندہ کسی کو ایسی خرافات کرنے کی جرأت نہ ہو۔

اس سال ۱۴/اگست کا دن حکومت اور عوام نے اس لیے بھی زیادہ خوشی کے طور پر منایا کہ اللہ تعالیٰ کی مدد ونصرت سے ہماری افواج نے اپنے سے پانچ گنا بڑے ملک ہندوستان کو شکست دی اور معرکۂ حق جیتا ہے۔ الحمدللہ! پاکستان کا ہندوستان کے خلاف فتح حاصل کرنا یقیناً اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل وکرم، ہماری افواج کی ہمت وجرأت اور قوم کے اتحاد واتفاق کی برکت سے ممکن ہوسکا ہے، اس پر ہمیں خوش ہونا چاہیے، لیکن اس خوشی کے لمحے میں بجائے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہونے کے کچھ نام نہاد روشن خیال لوگ ہماری ان خوشی کے لمحات کو اللہ تعالیٰ کے غیظ وغضب کو دعوت دینے کا سبب بن رہے ہیں، اس لیے حکومت اور انتظامیہ کو چاہیے کہ ان کے خلاف سخت ایکشن لے، کیونکہ قرآن کریم میں تو اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان اور اسلامی حکومت کا شعار یہ بتایا ہے کہ:

’’الَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ‘‘ (سورۃ الحج:۴۱)

’’وہ لوگ کہ اگر ہم اُن کو قدرت دیں ملک میں تو وہ قائم رکھیں نماز اور دیں زکوٰۃ اور حکم کریں بھلے کام کا اور منع کریں بُرائی سے اور اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے آخر ہر کام کا۔‘‘

یہ بات ہمیں فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ قومی و اجتماعی جرائم کا مداوا محض انفرادی اعمال اور دعاؤں سے نہیں ہوتا۔ قوم کی ترجمان اور نمائندہ ہر ملک کی حکومت ہوا کرتی ہے۔ اگر حکام نیک ہوں، جو نیک باتوں کو رواج دیں اور بری باتوں سے منع کریں، اجتماعی اور انفرادی زندگیوں میں اسلامی تعلیمات کو رواج دیں تو اگر وہاں کے کچھ افراد میں کمی، کوتاہی اور کمزوریاں بھی ہوں تو پوری قوم اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا نشانہ نہیں بنتی، ورنہ پوری قوم اللہ تعالیٰ کے غضب اور غصہ کا مورِد بن جاتی ہے، چاہے وہاں کے لوگ نیک فطرت اور اولیاء اللہ ہی کیوں نہ ہوں!

شعائرِ اسلام کی توقیر ضروری ہے!

ہمارے ملک کی انتظامیہ میں بعض لوگوں کا یہ حال ہے کہ اسلام آباد میں پاکستان بننے سے بھی پہلے سے موجود مدنی مسجد، جو وقف شدہ زمین پر بنی تھی، حکومتی اوقاف کے تحت رجسٹرڈ تھی اور نمازیوں سے آباد تھی، اسے حکومتی مشنری کے بعض لوگوں نے راتوں رات ڈھا کر اور مسمار کر کے اس جگہ پر رات بھر میں پودے لگا دیے اور اس جگہ کو گرین بیلٹ کا حصہ بنا کر مسجد کا نام ونشان مٹا دیا۔ یہ خیال تک نہیں کیا گیا کہ ہم نے یہ خطہ اور ملک اسلام کے نام پر حاصل کیا تھا اور اسلام میں مساجد کی اپنی ایک حیثیت اور عظمت ہے، کسی مسلمان سے مسجد کی کسی قسم کی بے ادبی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، چہ جائے کہ اس کو مسمار کر دیا جائے۔ فیا للعجب!

بتایا جائے کہ ہمارے ملک کی انتظامیہ کے اس طرح کے اقدامات سے کیا اللہ تعالیٰ اس ملک اور قوم سے ناراض نہیں ہوں گے؟! یقیناً اس طرح کے اقدامات اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور غیظ وغضب کی دعوت دینے کے مترادف ہیں، اور اس قسم کے اقدامات ماضی اور حال کی طرح قسما قسم زمینی وآسمانی مصائب کا ذریعہ ثابت ہو سکتے ہیں۔

صوبہ خیبر پختون خوا، گلگت، آزاد کشمیر میں سیلابی صورت حال

صوبہ خیبر پختونخوا، جو پہلے ہی ایک عرصہ سے امن وامان کی مخدوش صورت حال اور دہشت گردی کے عفریت کا شکار تھا، نیز حکومتی اداروں کی ناکامی اور نااہلی بھی وہاں اپنے عروج پر ہے، اب رفتہ رفتہ موسمیاتی

تبدیلیوں کے باعث ہر سال سیلاب کی خوف ناک شکلوں کی لپیٹ میں نظر آتا ہے۔ خیبر پختونخوا کے اضلاع باجوڑ، بٹگرام، تورغر، مانسہرہ، سوات، بونیر، شانگلہ اور صوابی، آزاد کشمیر اور گلگت بلتستان میں بادل پھٹنے، آسمانی بجلی گرنے اور طوفانی بارشوں کی وجہ سے تباہی مچی ہوئی ہے، جس سے سیکڑوں افراد جاں بحق اور سیکڑوں لا پتہ ہو گئے۔ درجنوں مکانات منہدم، طلبہ، بچے اور خواتین سیلابی ریلوں کی نذر ہو گئے، کئی گاؤں صفحۂ ہستی سے مٹ گئے، رابطہ پل اور سڑکیں تباہ ہو گئیں۔ سب سے زیادہ نقصان ضلع بونیر میں ہوا، بونیر کے بارہ سے زیادہ دیہات شدید متاثر ہوئے، جس کے باعث یہاں دیگر علاقوں کی بنسبت اموات زیادہ ہوئیں۔

اسی طرح گلگت بلتستان میں سیلابی ریلوں سے مختلف وادیوں میں تباہی پھیلنے سے متعدد افراد جاں بحق ہو گئے۔ گلگت بلتستان کے مختلف علاقوں میں رابطہ کے کئی پل تباہ ہونے سے شاہراہِ قراقرم اور شاہراہِ بلتستان سمیت تمام بین الاضلاع رابطہ سڑکیں ٹریفک کے لیے بند ہو گئیں، ادھر چلاس میں فصلیں، مکانات، باغات، واٹر چینل تباہ ہو گئے۔ آزاد کشمیر کی وادیِ نیلم میں سیلابی ریلے دریا پر بنے متعدد رابطہ پل بہا لے گئے، جہاں مختلف حادثات میں کئی قیمتی جانیں ضائع ہو چکی ہیں۔

باجوڑ کی تحصیل سلارزئی کے علاقہ جبراڑئی میں بادل پھٹنے کے نتیجے میں ہونے والی طوفانی بارش کے بعد لینڈ سلائیڈنگ کے نتیجے میں بھاری پہاڑی پتھروں کی زد میں آ کر سات مکانات ملبے کا ڈھیر بن گئے، یہاں بھی ملبے تلے دب کر دس افراد جاں بحق اور کئی لا پتہ ہو گئے۔ صوابی میں بھی کافی جانی اور مالی نقصان ہوا۔ ایسے تمام متأثرین ہماری دعاؤں، ہمدردی اور تعاون کے مستحق ہیں۔

مزید یہ کہ ایسی حالت میں ہماری حکومت اور پوری قوم کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جانا چاہیے اور ہم سب کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ اور استغفار کرنا چاہیے، تا کہ ان ناگہانی آفات اور بلیات سے ہماری حفاظت ہو۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کے حال پر رحم فرمائے۔ دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ سیلاب میں شہید ہونے والوں کی مغفرت فرمائے، اُن کے پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے اور جس مقصد کے لیے ہم نے یہ ملک حاصل کیا تھا، اس مقصد کو حاصل کرنے اور ہمارے حکمرانوں کو قرآن وسنت کے نفاذ کی توفیق عطا فرمائے، اور ہم سب کو صراطِ مستقیم پر چلنے کی ہمت، قوت اور طاقت نصیب فرمائے، آمین بجاہ سید المرسلین!

وصلّى الله تعالىٰ علىٰ خير خلقهٖ سيّدنا محمّد وعلىٰ آلهٖ وصحبهٖ أجمعين!

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

مکاتیبِ اکابر رحمۃ اللہ علیہم

بنام حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ

انتخاب: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت مولانا محمد یوسف کامل پوری رحمۃ اللہ علیہ (۱) بنام حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ

بخدمت شریف جناب مولانا محمد یوسف صاحب زید لطفُهٗ

مکرّم ومحترمِ بندہ زيدت مكارمكم العالية!

بعد سلامِ مسنون، گرامی نامہ باعثِ مسرت ہوا تھا، جس کا کچھ تذکرہ میں اپنے عربی والے خط میں کر چکا ہوں، اُمید ہے کہ محظوظ ہوئے ہوں گے، اور ہنسے بھی ہوں گے، مگر ہنسنے کی کوئی بات نہیں، عجمیوں سے اگر ایسی کوتاہی ہوجائے تو کوئی قابلِ اعتنا ہونی چاہیے! اس مرتبہ اردو ہی میں ٹرخا رہا ہوں، اگر اردو میں دقّت محسوس فرمائیں تو مولانا احمد رضا صاحب (بجنوری) پڑھ دیں گے!

حضرات اکابرِ دیوبند کی تصانیف کی فہرست تو غالباً خدمت میں پہنچ گئی ہوگی، مدارس کی یہ فہرست

(۱) مولانا محمد یوسف اکھوڑوی کامل پوری رحمۃ اللہ علیہ، ضلع اٹک کے قصبہ ''اکھوڑی'' میں اندازاً ۱۹۰۲ء/ ۱۳۱۹-۲۰ھ میں پیدا ہوئے۔ دارالعلوم دیوبند اور پھر جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں درسِ نظامی کی تعلیم حاصل کی۔ علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ میں سے تھے، اور والد ماجد حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے دیرینہ رفقاء میں سے تھے۔ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل، مجلس علمی اور دیگر اداروں میں خدمات سرانجام دیں، فقہ وحدیث اور عربی ادب میں مہارت رکھتے تھے، علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق ان کا عربی مرثیہ والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''نفحة العنبر في هدي الشيخ الأنور'' میں شائع شدہ ہے۔ مخطوطات اور نادر ذخیرۂ کتب پر بھی گہری نظر رکھتے تھے۔ علامہ زیلعی رحمۃ اللہ علیہ کی ''نصب الراية'' پر ان کے حواشی ہیں۔ مارچ ۱۹۶۴ء/ ۱۳۸۳ھ میں اپنے آبائی گاؤں میں سفرِ آخرت پر روانہ ہوئے۔ دیکھیے: تذکرہ علماء پنجاب، از اختر راہی، ۲/ ۲۷۷، ۲۸۷، مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور، طبع اول ۱۹۸۰ء/ ۱۴۰۰ھ

ارسالِ خدمت کرر ہا ہوں۔

مولانا بدرِ عالم صاحب (میرٹھی) کو شدھی کے زمانہ کی بات یاد نہیں رہی، مجھے اتنا خیال پڑتا ہے کہ ذی استعداد طلبہ تمام چلے گئے تھے، اور اس وقت جو معین المدرّس تھے، ان میں سے بھی اکثر گئے تھے، تقریباً دو تین ماہ سبھی مصروفِ پیکار رہے۔ اور بقیہ حالات جو دریافت فرمائیں گے وہ حسبِ یادداشت عرضِ خدمت کروں گا۔ افسوس کہ بابا ہم میں نہ رہے، ورنہ وہ تو ''جُهَيْنِيَةُ الدِّيُوْ بَنْدِيَّة''[1] تھے، خدا مرحوم کو اعلیٰ علیین نصیب فرمائے، آمین! کیا خاص اوقات میں یہ خادم بھی کبھی یاد آجاتا ہے؟

تمام حضرات بخیریت ہیں، سلامِ مسنون عرض کرتے ہیں۔ ابھی تک مولانا اور مولوی یحییٰ صاحب ومولانا محمد ادریس صاحب (کاندھلوی) تشریف نہیں لائے۔

فقط والسلام

۱۸-۳-۵۷ھ

پس نوشت: مولوی محمد ناظم صاحب ندوی کا خط آیا ہوا ہے، بخیریت ہیں، آپ لوگوں کو یاد کیا ہے۔

اسمائے مدارس کہ منتسبین دار العلوم اجرا نمودہ از نورِ علوم ظلمت کدۂ ہند را منوّر ساختند [2]

صوبہ سرحد: ❶- مدرسہ یوسفیہ، گڑھی میر احمد صاحب مرحوم، پشاور

سندھ: ❶- مدرسہ مظہر العلوم (مولوی محمد صدیق صاحب والا) کراچی، اور بھی چند مدرسے ہیں، جن کے اسماء یاد نہیں رہے۔

پنجاب: ❶- مدرسہ خدّام الملّت والدین، لاہور، ❷- مدرسہ انوار العلوم، گوجرانوالہ، ❸- مدرسہ خیر المدارس، جالندھر، ❹- دار العلوم فتح الدین، لائل پوری (حالیہ فیصل آباد)۔ اور بھی مدارس ہیں، جن کے نام معلوم نہیں ہیں۔

بہار: ❶- مدرسہ امدادیہ، دربھنگہ، ❷- مدرسہ اسلامیہ، موضع گوگری، ضلع مونگیر، ❸- مدرسہ خیریہ، سہسرام، ضلع آرہ، ❹- مدرسہ رشیدیہ، کواتھ، ضلع آرہ، ❺- مدرسہ معین الغرباء، ناصری گنج، ضلع آرہ

ممالکِ متوسّط (سی پی): کوئی مدرسہ معلوم نہ ہوسکا، اغلب یہ ہے کہ ضرور ہے۔

مدراس: معلوم ہوا کہ ہے تو، مگر نام ومقام نہ معلوم ہوسکا، شاید (مدرسہ) الباقیات الصالحات ہو۔

اڑیسہ: اس میں شاید نہیں ہے۔

بمبئی: ❶- جامعہ اسلامیہ، ڈابھیل، ضلع سورت، ❷- مدرسہ حسینیہ، راندیر، ضلع سورت، ❸- مدرسہ محمدیہ،

(۱) عربی میں یہ محاورہ یقینی علم، حتمی خبر اور مستند ماخذ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

(۲) واضح رہے کہ یہ فہرست حضرت مولانا محمد یوسف کامل پوریؒ کی یادداشت اور اُس زمانہ کے مطابق ہے، اب تو برِصغیر پاک وہند وبنگلہ دیش میں مدارس کی تعداد بفضلہٖ تعالیٰ لاکھوں سے متجاوز ہوگی۔

گودھرہ، ❹- مدرسہ محمد علی والا، بڑودہ

برما: ❶- مدرسہ تعلیم الدین، رنگون، ❷- مدرسہ دار العلوم تھمائنگ، ضلع رنگون، اس کی کئی شاخیں ہیں، یہ جمعیۃ العلماء رنگون کی طرف سے ہے۔

آسام: ❶- مدرسہ عالیہ لالہ، ضلع کھچاڑ، ❷- مدرسہ عالیہ، گاسہاڑی، ضلع سلہٹ، ❸- مدرسہ عالیہ، خریل ہاٹ، ضلع سلہٹ، ❹- مدرسہ رحمانیہ، کہنائی گھاٹ، ضلع سلہٹ، ❺- مدرسہ عالیہ جلالیہ، رانگاروئی، ضلع کھچاڑ، ❻- مدرسہ عالیہ، بہادر پور، ضلع کھچاڑ۔ اس کے علاوہ ۱۱-۱۲ نام اور موجود ہیں، اختصار کیا گیا ہے۔

بنگال: چاٹگام: اس ضلع میں تقریباً پچاسوں مدرسے ہوں گے، ان کی فہرست موجود ہے، جن میں اکثروں میں کچھ نہ کچھ حدیث شریف کا درس ہوتا ہے، مثلاً: ❶- مدرسہ معین الاسلام، ہاٹ ہزاری، ❷- مدرسہ ناصر المسلمین، فتح پور، ❸- مدرسہ حمایت الاسلام، کیگرام، ❹- مدرسہ دار العلوم، چندی پوری، ❺- مدرسہ اسلامیہ، پونچھری، ❻- مدرسہ صدیقیہ، گھونیہ، ❼- مدرسہ لطیفیہ، میر سرائی، ❽- مدرسہ صوفیہ نوریہ، برراج ہاٹ، ❾- مدرسہ ابوتراب، چاٹگام

ڈھاکہ: اس میں بھی تقریباً ۲۰ مدارس ہوں گے، جن میں حدیث شریف کے منتخبات ہوتے ہیں: ❶- مدرسہ اسلامیہ، ڈھاکہ، ❷- مدرسہ حمادیہ، ڈھاکہ، ❸- مدرسہ دار العلوم، ڈھاکہ، ❹- مدرسہ محسنیہ، ڈھاکہ، ❺- مدرسہ اشرف العلوم، ڈھاکہ، ❻- مدرسہ اسلامیہ، معصوم پور، ❼- مدرسہ حافظیہ، مرزانگر

ٹپرہ: اس ضلع میں بھی تقریباً ۱۵ مدارس ہیں: ❶- مدرسہ صاحب آباد، ضلع ٹپرہ، ❷- مدرسہ یونسیہ اسلامیہ، برہمن باڑیہ، ٹپرہ، ❸- مدرسہ اسلامیہ، بروڑہ، ٹپرہ

کمرلا: اس ضلع میں بھی چند مدارس ہیں: ❶- مدرسہ حسّامیہ، کمرلا، ❷- مدرسہ اسلامیہ، چوک بازار، کمرلا، ❸- مدرسہ جامعہ ملّیہ، اترچرتا، کمرلا

نواکھالی: اس ضلع میں بھی تقریباً ۱۵ مدارس ہیں: ❶- مدرسہ اسلامیہ، نواکھالی، ❷- مدرسہ احمدیہ، نواکھالی، ❸- مدرسہ کرامتیہ، نواکھالی، ❹- مدرسہ اسلامیہ، لکھی پور، ❺- مدرسہ شوبار بازار، ❻- مدرسہ امجد ہاٹ

ممالکِ متحدہ آگرہ واودھ (یوپی): سہارنپور: ❶- مدرسہ مظاہر علوم، سہارنپور، ❷- دار العلوم سہارنپور، ❸- دار العلوم دیوبند (هي مركز العلوم الدينية في الهند) ضلع سہارنپور، ❹- مدرسہ اسلامی، رائے پور، ضلع سہارنپور، ❺- مدرسہ اسلامیہ، رڑکی، ضلع سہارنپور، ❻- مدرسہ اسلامی، بہٹ، ❼- مدرسہ اسلامیہ، تاج پورہ، ریڑھی، ضلع سہارنپور

مظفرنگر: ❶- مدرسہ امدادیہ، تھانہ بھون ❷- مدرسہ اسلامیہ عزیزیہ، مظفرنگر

میرٹھ: ❶- مدرسہ اسلامیہ، میرٹھ ❷- مدرسہ اسلامیہ، اجراڑہ، ضلع میرٹھ

بلندشہر: ❶- مدرسہ اسلامیہ، گلاؤٹھی ❷- مدرسہ اسلامیہ، خورجہ

امروہہ: ❶- مدرسہ جامع مسجد ❷- مدرسہ اسلامیہ، محلہ چلہ، امروہہ

بجنور: ❶- مدرسہ جامع مسجد ❷- مدرسہ اسلامیہ نگینہ (مولوی سعید صاحب والا)، ضلع بجنور

مرادآباد: ❶- مدرسہ امدادیہ ❷- مدرسہ شاہی مسجد

بریلی: ❶- مدرسہ اشاعۃ العلوم، بریلی **کانپور:** ❶- جامع العلوم، کانپور

فیض آباد: ❶- مدرسہ کنز العلوم، ٹانڈہ **بہرائچ:** ❶- مدرسہ نور العلوم، بہرائچ

علی گڑھ: ❶- مدرسہ اسلامیہ، برلا، ضلع علی گڑھ **دہلی:** ❶- مدرسہ امینیہ، دہلی، ❷- مدرسہ مسجد فتح پوری، دہلی، ❸- مدرسہ حسینیہ، دہلی، ❹- مدرسہ حسین بخش، دہلی

حضرت مولانا احمد رضا بجنوری رحمۃ اللہ علیہ بنام حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ

مکرم و مخلصم مولانا محمد یوسف صاحب دام مجدُکم!

سلامِ مسنون، آپ کا صرف ایک (خط) غالباً وسط شوال کا ملا تھا، جو مجھ کو ایک ماہ کے بعد نہٹور سے واپسی پر ملا، اس کا جواب بھی لکھ دیا تھا، مگر اب معلوم ہوا کہ آپ حج کے لیے مع والد صاحب قبلہ دام ظلّہ روانہ ہوگئے، غالباً آپ نے خط ضرور لکھا ہوگا، جو مجھ کو نہیں ملا، خیر! اس مبارک سفر کے لیے اور حج و زیارت کی سعادتِ سہ بارہ کے حصول پر دلی مبارک باد قبول کیجیے، خدا قبول فرمائے، اور اپنے تقرّب سے بیش از بیش بہرہ ور کرے۔ مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ کے متعارفین و احباب سے خصوصیت کے ساتھ میرا سلام کہیں، اور سب کی خیریت و حالات حسبِ موقع لکھیں، واپسی پر ملاقات ہوگی، ان شاء اللہ!

مولانا (محمد بن موسیٰ) میاں صاحب نے بھائی یوسف صاحب کو مصر خرید ٹائپ و پریس کے لیے کہہ دیا ہے، ان کو اس بارے میں مشورہ دیں۔ اُمید ہے کہ ٹائپ و پریس آ گیا تو پھر دہلی میں مرکز قائم ہوکر کام خوش اُسلوبی کے ساتھ ہو سکے گا۔

صروف ۱۶ اور ۱۲... کے شرح ترمذی کے لیے بہتر رہیں گے، ایک پریس کے لیے کتنی تعداد ہر دو قسم کے صروف کی ضرورت ہوگی؟ اس کا مشورہ آپ مکہ معظّمہ میں بھی حسبِ موقع و فرصت (جامعہ) اُم القریٰ وغیرہ کے دفتر سے کرلیں گے۔ امید ہے کہ یہ سلسلہ قائم ہوگیا تو پھر آپ کو بھی دہلی ہی کے قیام پر مجبور کریں گے، بھائی یوسف صاحب سے اور بھی مولانا میاں صاحب کے خیالات و عزائم کا علم آپ کو ہو جائے گا، اور وہ خود بھی آئیں گے، ان شاء اللہ! خدا کرے پھر جلد یکجا ہوں۔

آپ سے علیحدگی کے بعد سے وہ پر لطف علمی زندگی ہر وقت یاد آتی ہے، آپ کی واپسی کب تک

ہوگی؟ مطلع کریں۔ مکہ معظّمہ سے مجلس (علمی) کے لیے جدید وقدیم کتب ضرورت کی جو مل سکیں ضرور خرید لیں، اور بھائی یوسف صاحب سے رقم لے لیں، یہاں حساب ہوجائے گا۔ مخدوم ومکرم والد صاحب قبلہ کی خدمت میں سلام مسنون اور دعا کی درخواست ہے، اور آپ بھی خصوصی طور پر ہر مقامِ اجابت میں میری صلاح وفلاحِ دارین اور اہلیہ وبچہ کی صحت کے لیے ضرور ضرور دعا کریں۔ اپنا پتہ مکہ اور مدینہ کا بھی جلد تحریر کریں، تاکہ براہِ راست خط لکھ سکوں۔

والسلام

احقر احمد رضا عفا عنہ

۲۶/۱۰/۱۹۴۶ء

حضرت مولانا حمید الدین رحمۃ اللہ علیہ (۱) بنام حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ

مدرسہ عالیہ کلکتہ نمبر ۱۶

من العاجز المسكين الفقير حميد الدين إلى الأخ الأعزّ الأغرّ الأحبّ الأبرّ الذي صار صيتُهُ في البرّ والبحر، يوسفُ علماء الحديث والأثر، مولانا محمد يوسف البنوري، عكسُ جمال الشيخ الأنور الكشميري، عافاه الله في الدنيا والآخرة، وأدام بحار فيوضهٖ زاخرةً.

السلام عليكم ورحمة الله وبركاته!

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اُمید ہے کہ مزاجِ گرامی بعافیت ہوگا۔ میں دیوبند گیا ہوا تھا، واپسی آنے پر ''معارف السنن'' کے ہدیۂ سنیہ سے شرف یاب ہوا۔

لله الحمد هر آں چیز که خاطر می خواست
آخر آمد ز پس پردۂ تقدیر پدید (۲)

''معارف السنن'' سے آنکھوں کو نور، دل کو سرور، دماغ کو تازگی، روح کو بالیدگی حاصل ہوئی۔ حضرت الاستاذ قدّس سرّہ العزیز کی یاد اگرچہ یوں بھی تازہ رہتی ہے، لیکن اس کتابِ مستطاب سے تازہ تر

---

(۱) مولانا سید حمید الدین رحمہ اللہ، جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سے ۱۳۴۷ھ کے درسِ نظامی کی تکمیل کی، علامہ محمد انور شاہ کشمیری وعلامہ شبیر احمد عثمانی رحمہما اللہ کے شاگرد تھے، فراغت کے بعد مختلف اداروں میں خدمات سرانجام دیں، دارالعلوم ندوۃ العلماء میں شیخ الحدیث اور دارالعلوم دیوبند میں شیخ التفسیر رہے۔ دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن بھی رہے۔ جس زمانہ میں یہ مکتوب لکھا گیا ہے مدرسہ عالیہ کلکتہ میں شیخ الحدیث تھے، اخیر تک وہیں رہے۔ ۱۹۶۵ء میں اس جہانِ فانی سے رخصت ہوئے۔

(۲) اللہ کا شکر ہے کہ دل میں جس شے کی چاہت تھی، پردۂ تقدیر سے وہی نمودار ہوئی۔

ہوگئی، ان کا جمال آنکھوں میں پھرنے لگا، اور کمال دل کی گہرائیوں میں گردش کرنے لگا، اس کتاب سے حضرت اقدس کے طریقِ درس کی صحیح تصویر، زینتِ قرطاس بن گئی۔ حوالہ جات کی کثرت اور صفحات مجلدات کی تصریحات نے کتاب کی عظمت اور افادیت کو چار چاند لگا دیا ہے۔ اَبحاث نہ اس قدر طویل ہیں کہ ہمت شکن ہوں، نہ اس قدر مختصر کہ تشنگی نہ بجھا سکیں۔ صاحب ''تحفة الأحوذي'' نے اپنے ''تحفہ'' میں جس قدر کلوخ اندازی فرمائی ہے، اس کی طرف بھی ''جَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا'' اور ''كما تدين تُدان'' کے اصول کے مطابق توجہ دی گئی ہے، کتاب کے محاسن پر تفصیل سے لکھنے کے بجائے اس شعر پر اکتفا کرنا مناسب ہے:

ز فرق تا بقدم هر کجا می نگرم
کرشمه دامنِ دل می کشد جا اینجا است (۱)

جزاكم الله عنا وعن جميع المسلمين خير ما جازى به أحدًا، وأبقاكم مع الخير والعافية والصحة والسلامة وتوفيق العلم والعمل دائمًا أبدًا.

مطلع فرمائیے کہ جلدِ ثانی کب تک زیورِ طبع سے آراستہ ہوجائے گی؟ نیز یہ کہ پوری کتاب لکھی جا چکی ہے یا ابھی کچھ حصہ باقی ہے؟ اس سے بھی مطلع فرمائیں کہ مقدمہ مکمل فرمادیا ہے یا ابھی نہیں؟ اگر مکمل ہوگیا ہے تو طبع میں کیا دیر ہے؟ ''لبّ اللّباب'' طبع ہو چکی ہے یا نہیں؟ میرے خیال میں ''فتح الملهم'' کی تکمیل کا مسئلہ بھی اہم ہے، جس تحقیقی طریقہ پر تین جلدیں لکھی گئی ہیں، اس کو باقی رکھتے ہوئے بقیہ کی تکمیل کی توقع آپ سے کی جاسکتی ہے، کاش آپ اس طرف بھی توجہ فرمائیں!

ابھی حال ہی میں ''وفاق المدارس العربیہ'' کا مرتبہ نصاب اور متعلقہ تحریرات ملتان سے موصول ہوئیں، بے انتہا مسرت ہوئی، اور صمیمِ قلب سے دعائیں نکلیں۔ نصاب کی ترتیب بلا خوفِ لومۃ لائم جس طریقہ پر کی گئی ہے، اس کے لیے آپ حضرات مستحقِ مبارک باد ہیں۔

دار العلوم دیوبند کی مجلسِ شوریٰ میں جدید روشنی کے کافی حضرات جمع ہوگئے ہیں، اور نصاب کے خلاف مہم جاری ہے، ان حضرات کا رجحان ندوہ جیسے نصاب کی طرف ہے، لیکن اب تک ان حضرات کو کامیابی نہیں ہوئی ہے، صرف یہ تجویز پاس ہوئی ہے کہ تاریخ، جغرافیہ، مبادیِ فلسفہ جدید، معلوماتِ عامہ کا اضافہ کردیا جائے۔

طالبِ دعا

أخوكم العاجز حميد الدين غفر له

مدرسہ عالیہ کلکتہ نمبر ۱۶

..... ۞ ..... ۞ ..... ۞ .....

(۱) محبوب کے سر سے قدموں تک میں جہاں بھی دیکھوں، اس حصے کی رعنائی، دامنِ دل کو کھینچتی ہے کہ اصل جگہ تو یہی ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے ''رسالۂ تصوفِ فاروقِ اعظمؓ'' سے

خلاصۂ تصوّف

تشریح: مولانا یحییٰ نعمانی
لکھنؤ، انڈیا

امام حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ تاریخ اسلام کے ممتاز ترین علماء میں سے ہیں، بلکہ اپنی متعدد علمی وفکری خصوصیات کے لحاظ سے وہ ہماری پوری تاریخ میں بے نظیر مقام رکھتے ہیں۔ حقائقِ اسلام کی معرفت، حکمتِ دین کے علم اور شریعت کے اسرار و رموز کے بیان میں اہلِ نظر متفق ہیں کہ ان کا منفرد اور عظیم الشان مقام ہے۔ اس کے ساتھ ہی حضرت شاہ صاحب قدس سرہٗ تصوف وسلوک اور علمِ احسان کے ایک نہایت بلند مقام عارف اور اس بحرِ ہیبت نشان کے عظیم شناور بھی تھے۔

اس موضوع پر ان کی متعدد مستقل تصنیفات بھی ہیں۔ ان مستقل تصانیف کے علاوہ اپنی دیگر کتابوں میں بھی انہوں نے تصوف کے حقائق کا طویل ومختصر بیان فرمایا ہے، بلکہ ان کی کوئی بھی طویل تحریر اس موضوع پر اظہارِ خیال، اس کے لطائف کے بیان اور دین کی ایک اساس کی حیثیت سے اس کی طرف دعوت سے خالی نہیں۔

اس موضوع پر حضرت شاہ صاحبؒ کا اظہارِ خیال صرف علم ودانش اور محض گفت وشنید پر مبنی نہیں ہوتا، بلکہ وہ جو کہتے ہیں باطنی احساس، روحانی ذوق ومعرفت اور دید وچشید کے ذاتی تجربے سے فرماتے ہیں۔ ان تحریروں سے جہاں اس راہ میں ان کے مقامِ امامت کا اندازہ ہوتا ہے، وہیں ساتھ ہی ان کے مطالعے سے دین کے ہر صاحبِ فہم کے لیے یہ بھی بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ ایک مکمل اور حقیقی مسلمان بننے کے لیے یہ خاص درجۂ یقین لازمی ہے، اور قلب میں حقیقتِ ایمان کے رسوخ وقوت کے لیے اِس درجۂ احسان کی تحصیل ضروری ہے، اور اِس کا بھی اِدراک ہوتا ہے کہ تصوف کے ذریعے (اصلاً، کچھ اور نہیں،

صرف) ایک خاص قسم کی دینی قوت وروح حاصل ہوتی ہے، جو انبیاء علیہم السلام کی خاص الخاص میراث ہے۔ اسی دینی قوت سے انسان کو نفس وشیطان کے حملوں کے پیچ اور شہوتِ جاہ ومال کے مقابلے میں طاعت وتقویٰ پر استقامت کی ہمت ملتی ہے، اور یہی دینی روح حق وباطل کی کشمکش کے درمیان امرِ خداوندی پر ثبات وعزیمت کا حوصلہ وشوق بھی بخشتی ہے۔ یہ دولت اگر حاصل ہوگئی، سب مل گیا، جو یہ نہ ملی تو کچھ حاصل نہ ہوا۔

اس سلسلے میں شاہ صاحبؒ کی ان تحریروں کا ایک حصہ تو اس درجے کا ہے کہ اُس کو بلند مقام اہلِ عرفان ہی سمجھ سکتے ہیں، نیز ان میں ایسے مضامین بھی ہیں جو وسیع اور گہری نظر کے علماء کے لیے ہی قابلِ استفادہ ہوسکتے ہیں، لیکن بعض مقامات پر شاہ صاحبؒ نے تفصیلات سے قطع نظر، اس علم کے اصل بنیادی حصے کی عام فہم تشریح بھی فرمائی ہے۔ اس درجے کی تحریریں بھی سب کے لیے مفید اور مختصر ہونے کے باوجود شاہ صاحبؒ کے غیر معمولی گہرے علم اور عمیق فہمِ دین کی عکاس ہیں۔ انہی میں سے ایک تحریر وہ ہے جو اس وقت پیشِ نظر ہے۔

شاہ صاحبؒ کی نادرۂ روزگار تصنیف ''إزالة الخفا عن خلافة الخلفاء'' دین میں خلافتِ راشدہ کے مقام پر ایک بے نظیر ولاثانی شاہ کار اور خلفاء راشدینؓ کے فضائل اور کارناموں پر اسلامی تاریخ کی منفرد کتاب ہے۔ اس میں ''رسالۂ تصوفِ فاروقِ اعظمؓ'' کے عنوان سے مستقل باب ہے، جو حقیقتاً اس موضوع پر ایک مکمل تصنیف ہے۔ شاہ صاحبؒ نے اس کے آغاز میں موضوع کی ضرورت وافادیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ: ''حضرت فاروقِ اعظمؓ سے علومِ تصوف کی جو تعلیمات اور اس سلسلے میں ان کے حال ومقام کی جو تفصیلات کتبِ حدیث میں موجود ہیں، اس کا مکمل احاطہ تو اس وقت ممکن نہیں ہے، لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک حد تک ان معلومات کو درج کردیا جائے، جن سے اس فن کے اہم اصول ومباحث سامنے آجاتے ہیں۔''

شاہ صاحبؒ مزید فرماتے ہیں کہ: ''اس کا ایک فائدہ تو یہ ہوگا کہ دین کے اس شعبے میں حضرت فاروقِ اعظمؓ کی علمی بصیرت وعظمت اور عملی جلالتِ شان کا اظہار ہوگا، اور دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ علمِ حدیث کا گہرا علم نہ رکھنے والوں کی اس غلط فہمی کا ازالہ بھی ہوسکے گا کہ تصوف وسلوک کا علم کوئی نئی چیز ہے، جس کا صحابہؓ اور خلفاء راشدینؓ کے یہاں وجود نہیں تھا۔''

تصوف وسلوک کے مقصود اور اس کے طریق پر ایک بے مثال کلام

اس رسالے کی ابتدا میں تصوف وسلوک کے اصل مقصود اور اس کے حصول کے راستے پر ایک

بے مثال کلام کیا گیا ہے، جس میں تصوف کا اصولی نظریہ اختصار لیکن پوری وضاحت کے ساتھ آ گیا ہے۔ احسان وتصوف کی حقیقت پر اس سے جامع ومختصر اور حقیقت نما کلام (دو تین تحریروں کو چھوڑ کر) راقم سطور کی نظر سے کہیں اور نہیں گزرا ہے۔ یہ مضمون اس راہ کے سالکین بلکہ مشائخ وعارفین کے لیے بھی بصیرت افروز ہے۔ خیال ہوا کہ اس کی تفصیل وتشریح سے جہاں ان عام اہلِ علم کو فائدہ ہوگا جو تصوف وسلوک کی حقیقت، دین میں اس کے مقام اور ایک ایمانی شخصیت کی تعمیر میں اس کے کردار کو سنجیدگی سے سمجھنا چاہتے ہیں، وہیں اس بصیرت افروز تحریر سے اہلِ شوق، خصوصاً سالکین کے ذہن میں طریق کا مقصد بھی متعین وواضح ہو جائے گا اور اس کی اہمیت وتاثیر کا تصور بھی پیدا ہوگا۔ نیز حقیقتِ دین پیدا کرنے میں اس کی کارفرمائی کا شعور واحساس بھی ہوگا۔ یہ شعور واحساس ہم میں طلب پیدا کرے گا اور سلوک ومجاہدہ کے لیے ان شاء اللہ حوصلوں کو مہمیز کرے گا، اور مقصد کے تعین ووضوح سے ان کی نگاہِ شوق صرف مقصود ہی کو مطمحِ نظر بنائے گی۔

تصوف کا خلاصہ ومغز

تصوف کا خلاصہ ومغز تین بنیادی باتوں میں آ جاتا ہے، شاہ صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں کہ:

’’شریعت میں جس حقیقت کو ’’احسان‘‘ کہا جاتا ہے، اسی کا اصطلاحی نام ’’تصوف‘‘ ہے۔‘‘

اس کے بنیادی تصور کا خلاصہ ومغز تین اُصولی نکات میں آ جاتا ہے:

اول

تصوف وسلوک کا اصل مقصد اعمالِ صالحہ مثلاً نماز، روزہ اور ذکر وتلاوت کی کثرت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی قدرت وعظمت اور اس کی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بتلائی باتوں اور وعدوں پر ایک خاص قسم اور خاص درجے کا یقین پیدا کرنا ہے۔

اس جگہ وہ یقین مقصود ہے جو صالحینِ اُمت کو اللہ تعالیٰ کے خاص فضل سے ’’بطریقِ موہبت‘‘ عطا ہوتا ہے، جس کو صوفیہ کی اصطلاح میں ’’یادداشت‘‘ کہتے ہیں، یعنی عقل وشعور پر چھا جانے والا یقین، جو زندگی کا رخ موڑ دے اور جذبات بدل ڈالے، جس طرح کا علم ویقین آنکھوں دیکھی اور سامنے موجود حقیقتوں پر ہوتا ہے۔ اِس سے مراد یقین کا وہ عام درجہ نہیں جو عقلی دلائل یا تقلید اور مومنین کی اتباع سے عام مسلمانوں کو حاصل ہوتا ہے۔

یہاں غور طلب ہے کہ تمام مسلمان بقدرِ توفیقِ الٰہی اعمالِ خیر کرتے ہیں، لیکن ان کو وہ خاص مرتبۂ یقین کیوں حاصل نہیں ہوتا؟

یہ بہت اہم سوال ہے کہ پھر کثرتِ اعمالِ خیر سے وہ یقین کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ شاہ صاحبؒ یہاں اسی سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

کثرتِ اعمال سے یقین پیدا ہونے کی تین شرائط

عارفینِ اُمت کے تجربے اور استقراء سے معلوم ہوتا ہے کہ اعمالِ خیر کی کثرت کے ذریعے، اس خاص درجۂ یقین کے حصول کے لیے تین اہم اور ضروری شرائط ہیں:

❶ پہلی شرط: اخلاص ہے کہ ان اعمالِ خیر کو کامل اخلاصِ نیت اور صرف رضائے الٰہی کے حصول کے مقصد سے کیا جائے۔

❷ دوسری شرط: یہ ہے کہ اعمالِ خیر (مثلاً تہجد، صلاۃ الضحیٰ، صبح وشام وغیرہ کی دعائیں اور ذکر) کی مقدار میں کثرت کا اہتمام کیا جائے۔

❸ تیسری شرط: ''کیفیتِ خاصہ کہ عبارت از خشوع وخضوع، وترکِ حدیثِ نفس، وہیئاتِ مذکرۂ خشوع، واذکارِ مقویۂ آں۔''

یعنی ان عبادات اور اعمال کو قلب کے پورے حضور واطمینان، خشوع وخضوع، یکسوئی اور تبتُّل وتوجہ الی اللہ کی شان کے ساتھ ادا کیا جائے۔ دورانِ عبادت خیالات کے انتشار (یعنی حدیثِ نفس) سے پرہیز کی کوشش کی جائے، اور ان کیفیات کے پیدا کرنے والی ہیئت اور ظاہری حالت، مثلاً عبادت کے مناسب جسمانی حالت بنائی جائے۔ نیز تواضع اور شکستگی وفروتنی کی ظاہری صورت وغیرہ کو بھی اختیار کیا جائے۔ ساتھ ہی ایسے اذکار کو زبان سے ادا کیا جائے جو عبدیت وتذلل کے استحضار اور حضور وخضوع کی اِن کیفیات کو پیدا کرنے میں معاون ہوں۔ (ہر وقت اور حالت کے متعلق رسول اللہ ﷺ کی مسنون وماثور دعائیں اگر استحضار وتوجہ الی اللہ کے ساتھ پڑھی جائیں تو اس ملکہ کے حصول میں بہت معاون ہوتی ہیں)۔

اس کے بعد شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ: ''قرآن وحدیث کی اصطلاح میں اس کیفیت وحالت کو (دین کا) مرتبۂ احسان کہا گیا ہے، اور اس کی وہی تشریح کی گئی ہے جو اوپر ذکر کی گئی ہے، (یعنی اعمالِ خیر کی کثرت اور خشوع وخضوع اور ظاہر وباطن کی عبدیت واِنابت)۔''

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''إِنَّهُمْ كَانُوا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ كَانُوا قَلِيْلًا مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ وَفِيْٓ أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ'' (الذاریات:۱۶-۱۹)

مطلب یہ ہے کہ وہ آخرت سے پہلے (دنیا میں) ’’احسان‘‘ کی صفت سے متصف تھے۔ (یعنی) راتوں میں (قیام اللیل اور ذکر ومناجات کی ایسی کثرت رہتی کہ) کم ہی سوتے تھے، پھر صبح دم وہ استغفار وتوبہ میں مصروف ہوجاتے، اوران کے مالوں میں سائل ونادار کا ایک متعین حق طے ہوتا تھا۔

یہ تو قرآن میں عبادات کی کثرت کا حال بیان ہوا۔ حدیث میں احسان کی خاص کیفیت بیان ہوئی ہے کہ: ’’أن تعبد الله كأنك تراه، فإن لم تكن تراه فإنه يراك‘‘ مطلب یہ ہے کہ اللہ کی عبادت وبندگی اس طرح کرو کہ گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو، یعنی عبادت کے دوران یہ حالت وکیفیت پیدا کی جائے کہ جیسے اللہ بندے کے سامنے ہے اور بندہ اس کو اپنے سامنے دیکھ رہا ہے، اس لیے کہ اگرچہ بندہ نہیں دیکھ رہا، مگر یہ تو واقعی حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے سے نہ غائب ہے نہ دور، وہ بہرحال اُس کو دیکھ رہا ہے۔ دربارِ الٰہی میں حضور وشہود، خشوع وخضوع اور تذلّل ومسکنت کی یہی کیفیت صفتِ احسان ہے۔

دوم

شاہ صاحبؒ نے اس نکتۂ دوم کے تحت جو لکھا ہے، اس میں تصوف کا بنیادی نظریہ نہایت اختصار وجامعیت اور قرآن وسنت میں اس کے ماخذ کے تذکرے کے ساتھ آگیا ہے۔ نہایت اہم اور غور وتدبر سے پڑھنے کے لائق کلام ہے۔ اس تحریر کا لبِ لباب یہی نکتۂ دوم ہے۔

ارشاد فرماتے ہیں: تصوف وسلوک کا بنیادی نظریہ یہ ہے کہ دین میں تین طرح کے اعمال وافعال کا حکم دیا گیا ہے۔ سارا دین انہی تین قسموں میں آجاتا ہے:

①- ایمانیات وعقائد۔

②- کچھ جسمانی اعمال وافعال، جیسے نماز، روزہ، زکات۔ اس کے علاوہ معاملات اور بندوں کے حقوق کی ادائیگی اور اُن کے ساتھ حسن سلوک۔

③- ان کے علاوہ دین میں بہت سے قلبی اعمال واخلاق وکیفیات کا بھی حکم دیا گیا ہے، جیسے اخلاص، اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ محبت اور سب سے زیادہ خوف، زہد وتوکل، صبر وشکر اور دل کا باطنی گندگیوں جیسے کبر وحسد، طمع ولالچ وغیرہ سے پاک رکھنا، وغیرہ، وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ یہ سب قلبی اعمال وجذبات اور کیفیات واحساسات ہیں، جسمانی افعال نہیں۔

دین میں اعمالِ قلوب کا مقام

جس طرح پہلی دو قسموں کے اعمال اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور انسان کی نجات کے لیے ضروری ہیں،

اسی طرح یہ آخری قسم بھی ایسی ہے کہ اس کی تحصیل کے بغیر اللہ کی رضا و محبت اور بندے کی نجات ناممکن ہے۔

اس کے علاوہ قرآن وسنت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شریعت کے ظاہری اعمال میں بھی قوت وجان اور روح وطاقت ان باطنی کیفیات وجذبات اور صفات واخلاق سے ہی پیدا ہوتی ہے، ان کے بغیر آدمی کے ظاہری دینی اعمال بھی نہایت ناقص اور مرتبۂ محبوبیت سے فرو وساقط رہتے ہیں۔ ان قلبی اعمال وکیفیات کے بنا انسان حقیقتِ دین سے کورا رہتا ہے، نہ اس کو ظاہری اعمالِ شریعت پر استقامت حاصل ہوتی ہے اور نہ لذات وشہوات سے اجتناب کر پاتا ہے۔ حبِ دنیا اور مال ومنصب کی خواہش اس کو آخرت کی طرف مائل نہیں ہونے دیتی، اور بالفرض اگر اس کو بظاہر اعمالِ صالحہ کی صورت اور شکل نصیب بھی ہوجاتی ہے تو ریاکاری وشہرت طلبی سے دامن نہیں چھوٹتا۔ اگر یہی حال باقی رہا تو آخر اسی نامرادی کے ساتھ وہ اللہ تعالیٰ کے پاس حاضر ہوجائے گا۔

تصوف وسلوک کا مقصد قلبِ مومن میں ان ضروری ولازمی صفات اور بلند وپاکیزہ ایمانی کیفیات واحوال کا پیدا کرنا ہے۔ جب یہ باطنی کیفیات اور صفات' قلب میں ایک خاص درجہ میں رچ بس جائیں اور راسخ وثابت اور پائیدار ہوجائیں، تو ان کو تصوف کی خاص اصطلاح میں ''مقامات'' کہا جاتا ہے۔ بس یہی ''مقامات'' تصوف کا اصل مقصد ومطمحِ نظر اور صوفیاءِ کرام کی منزلِ شوق ہیں۔

شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ: تصوف کا خاص طریق یہی ہے کہ مذکورہ ''یقین'' اور ''صفتِ احسان'' (جس کو حضور ویادداشت بھی کہا جاتا ہے) کے ذریعہ اِن قلبی عبادات اور مقامات وکیفیات کو دل میں پیدا کرنے کی کوشش کی جائے۔ جب کسی مومن بندے کے قلب میں ''یقین'' اور ''اللہ تعالیٰ کا حضور'' جاگزیں ہو کر اُس کی شخصیت پر چھا جاتا ہے اور خداوندِ قدوس کی بارگاہ کا دائمی استحضار حاصل ہوجاتا ہے، تو اس کو غیر اللہ سے کوئی اُمید نہیں باقی رہتی، صرف اللہ سے اُمید ہوتی ہے، اس کو کسی غیر سے کوئی ڈر نہیں ہوتا، صرف اللہ سے ہی خوف ہوتا ہے۔ اسباب سے اس کا بھروسہ اُٹھ جاتا ہے اور صرف اللہ تعالیٰ پر اعتماد ویقین کی شان پیدا ہوجاتی ہے۔ یہ یقین اس کو ہمت وارادہ کی وہ قوت بخشتا ہے جس سے اس کا جینا مرنا سب کچھ اللہ اور اس کے دین کے لیے ہوجاتا ہے، اور جس وقت جس عمل کا حکم شریعت کی رو سے ہوتا ہے، وہ اس کو ہر طرح کی تکلیف برداشت کرکے اور رکاوٹ کو نظر انداز کرکے کرگزرتا ہے، اور مفاد یا راحتِ جسم وجان کی جو قربانی مطلوب ہوتی ہے' مردِ خدا کا یہ یقین اس قربانی کو آسان بنادیتا ہے:

یقیں مثلِ خلیل آتش نشینی
یقیں اللہ بینی خود گزینی

استحضار ویقین ہی کو اس طریق میں ’’ملکۂ یادداشت‘‘ کہتے ہیں۔ یہی ’’نسبتِ حضور‘‘ ہے، یہی ’’مقامِ شہود‘‘ ہے، اور یہی حاصلِ تصوف ہے۔

تصوف کا نظریہ اور ہر دور کے اہل اللہ اور خاصانِ خدا کا تجربہ (بلکہ کتاب وسنت کی تعلیم) یہی ہے کہ اسی ’’یقین وحضور‘‘ کے ذریعہ ذوقِ انابت، افتقار الی اللہ، اللہ سے کامل محبت اور خوف، اسی کی ذات سے امید، اسی پر توکل اور بھروسہ کی شان پیدا ہوتی ہے۔ اسی یقین وحضور سے صبر وشکر، زہد واستغنا، رضا باللہ، شدت لامر اللہ، اور تواضع جیسی قلبی وباطنی صفات حاصل ہوتی ہیں، اور پھر انہی سحر انگیز قلبی کیفیات سے بندے کے اعمال واخلاق میں حسن ورعنائی اور قوت وہمت کی ایک عظیم شان کا ظہور ہوتا ہے۔ اپنی اِسی طاقت وتاثیر اور کارفرمائی کی وجہ سے ملکۂ یادداشت اور نسبتِ حضور کی تحصیل پر تصوف میں خاص توجہ مبذول کی جاتی ہے، اور ظاہر ہے کہ اس کی تحصیل کا سب سے مؤثر ذریعہ کثرتِ ذکرُ اللہ ہے۔

سوم

اس کے بعد شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ جب کسی شخص پر یقین اس طرح چھا جاتا ہے کہ وہی اس کا ذوق وحال بن جاتا ہے تو پھر اس بندۂ مومن میں ایک خاص شان ظاہر ہوتی ہے۔ وہ جو کہتا ہے یقین سے کہتا ہے، جو کرتا ہے یقین کی کارفرمائی سے کرتا ہے۔ اس کے دل میں مقامات یعنی اوپر مذکور صفاتِ عالیہ اور پاکیزہ احوال واَذواق راسخ وپختہ ہوجاتے ہیں، اور پھر اللہ تعالیٰ کی عطا وموہبت سے اس کے اندر ایک خاص روحانی تاثیر اور مقناطیسی قوت پیدا ہوجاتی ہے، جس کو شاہ صاحبؒ یوں فرماتے ہیں کہ: ’’اس کے اندر سے ایک جوش نکلتا اور اس کے گردوپیش پر اثرانداز ہوتا ہے۔‘‘ جس سے (عموماً) اس کی شخصیت میں دو میں سے کسی ایک بات کا ظہور ہوتا ہے: ①- یا تو اس کے ہاتھ پر کرامات ظاہر ہوتی ہیں۔ ②- یا اس کے ذریعے سے طالبینِ حق اور مریدین کی تربیت ہوتی ہے، یا کبھی دونوں ہی باتیں پائی جاتی ہیں۔

نکتۂ سوم کے تحت یہ تیسری بات جو حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمائی ہے، یعنی دونوں باتوں کا پایا جانا تو یہ اللہ تعالیٰ کا خصوصی معاملہ، اور عطاءِ ربانی ہے، لیکن طریق کا مقصودِ اصلی ہرگز نہیں ہے۔

مقصودِ اصلی تو خود (مقامات یعنی) صفاتِ ایمانیہ کا قلب وطبیعت میں راسخ ہوجانا ہے، جس کے بعد شریعت کا کامل اتباع اور عبادات ونوافل کی عظیم توفیق ملتی ہے، جس پر سکینت کا نزول، ملأ اعلیٰ کی رفاقت اور قرب ورضا کا حصول یقینی ہے۔

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

بحیثیت سیرت نگار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ڈاکٹر شاکر حسین خان

شعبہ علومِ اسلامیہ، جامعہ کراچی

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کا مطالعہ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اُسوۂ حسنہ پر عمل کرنا ہر صاحبِ ایمان کے لیے باعثِ سعادت ہے۔ قرآن مجید سیرت و کردار پر بحث کرتا ہے، ایک جانب تو قرآن مجید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاقِ حسنہ کو خلقِ عظیم قرار دیتا ہے تو دوسری جانب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کو ہمارے لیے ایک عملی نمونے کے طور پر پیش کرتا ہے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کا مطالعہ ہمارے لیے ناگزیر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ طیبہ پر متعدد زبانوں میں بے شمار کتب لکھی جا چکی ہیں اور لکھی جا رہی ہیں۔ زیرِ نظر مضمون میں مفتی محمد شفیع عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدماتِ سیرت کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

تعارف مفتی محمد شفیع عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

مفتی محمد شفیع عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کا شمار ایسے علماء میں ہوتا ہے جنہوں نے زندگی علومِ دینیہ کی خدمت اور اُمتِ مسلمہ کی اصلاح کے لیے صرف کی۔ وہ نہ صرف مفسر، مدبر، عالم، فاضل، فقیہ اور محقق تھے، بلکہ راہِ سلوک وتصوف کے شیخ بھی تھے۔

وہ ۲۰ اور ۲۱ رشعبان ۱۳۱۴ھ مطابق ۱۸۹۷ء کی درمیانی شب میں قصبۂ دیوبند ضلع سہارنپور میں پیدا ہوئے، خاندانی اعتبار سے آپ عثمانی تھے، اِن کے والد مولانا محمد یٰسین دیوبندی ایک عالم دین اور صاحبِ نسبت بزرگ تھے۔ مفتی صاحب نے ایک دینی ماحول میں آنکھ کھولی اور بچپن ہی سے علماء کی صحبت میں بیٹھنے کا شرف حاصل کیا۔ پانچ سال کی عمر میں حافظ محمد عظیم صاحب سے دار العلوم دیوبند میں قرآن کریم کی تعلیم کا آغاز کیا۔ فارسی کی تمام مروجہ کتابیں اپنے والد محترم سے پڑھیں، حساب وفنون ریاضی کی تعلیم اپنے چچا

مولانا منظور احمد سے حاصل کی۔ سولہ سال کی عمر میں دارالعلوم کے درجہ عربی میں داخلہ لیا، اور ۱۳۳۵ھ میں فارغ التحصیل ہوئے، جن عظیم المرتبت علمائے امت سے انھوں نے شرفِ تلمذ حاصل کیا، ان میں علامہ محمد انور شاہ کشمیری، مولانا عزیز الرحمٰن عثمانی، علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا سید اصغر حسین دیوبندی، مولانا اعزاز علی دیوبندی، مولانا رسول خان ہزاروی اور مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی رحمہم اللہ جیسے اکابرین شامل ہیں۔

زمانۂ طالب علمی میں ان کا شمار نہایت ذہین اور محنتی طلبہ میں ہوتا تھا اور امتحانات میں ہمیشہ امتیاز کے ساتھ کامیاب ہوتے تھے، اسی لیے اساتذہ ان سے بے حد شفقت اور محبت کا سلوک کرتے تھے۔ ۱۳۳۵ھ میں فارغ التحصیل ہوئے تو مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں ابتدائی کتب کی تعلیم کے لیے استاذ مقرر کیا، پھر بہت جلد درجہ عالیہ کے استاذ ہوگئے، اور تقریباً ہر علم وفن کی جماعتوں کو پڑھایا، ان کا درس ہمیشہ ہر جماعت میں مقبول رہا، دورۂ حدیث کی کتاب ابوداؤد اور عربی ادب کی کتاب مقاماتِ حریری کے درس میں مختلف ملکوں کے علماء اور اساتذہ بھی شریک ہوتے تھے۔ دارالعلوم میں تدریس کا یہ سلسلہ ۱۳۶۲ھ تک جاری رہا۔ اس ۲۷ سال کے عرصہ میں انڈونیشیا، ملائیشیا، سنگاپور، برما، برصغیر، افغانستان، بخارا، سمرقند وغیرہ کے تقریباً تیس ہزار طلباء نے ان سے شرفِ تلمذ حاصل کیا، ان میں سے ہزاروں مختلف ممالک میں دین کی خدمت میں مصروف رہے۔

دارالعلوم دیوبند میں تدریس کے دوران مولانا عزیز الرحمٰن عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے فتوی کے سلسلہ میں آپ کی خدمات لیں، وہ سوالات کے جوابات خود لکھتے اور آپ سے لکھواتے اور اصلاح وتصدیق کے بعد روانہ کردیے جاتے تھے، ۱۳۴۴ھ میں وہ مستعفی ہوگئے۔ اربابِ دارالعلوم نے مختلف صورتوں سے دارالافتاء کا کام چلایا، مگر ۱۳۴۹ھ میں یہ کام مستقل اُن کے سپرد کردیا گیا تھا۔ وہ قیامِ پاکستان تک اس منصب پر فائز رہے۔

مفتی صاحب ابتدا میں شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ سے ۱۹۲۰ء میں بیعت ہوئے، پھر ان کے انتقال کے بعد ۱۳۴۶ھ میں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے، جنہوں نے ان کی علمی اور روحانی صلاحیتوں کو دیکھ کر ۱۳۴۹ھ میں انہیں اپنا خلیفہ اور مجازِ بیعت قرار دے دیا۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء مجازین میں اُن کو ایک خاص مقام حاصل تھا اور تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان پر خاص توجہ دیتے تھے۔ تقریباً بیس سال تک تھانوی صاحبؒ کی صحبت میں رہے اور ان کی زیرِ نگرانی کئی تالیفات اپنے قلم سے تصنیف کیں۔ ان میں احکام القرآن اور حیلہ ناجزہ وغیرہ شامل ہیں۔

حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ کے بقول:

’’آپ کے قلم فیض رقم سے تین سو سے زائد تالیفات منصۂ شہود پر آئیں جن میں اسلام کا نظام اراضی، ختمِ نبوت کامل اور سیرت خاتم الانبیاء، کشکول، جواہر الفقہ، مقامِ صحابہؓ، مجالسِ حکیم الامت، احکام القرآن، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، عزیز الفتاویٰ اور تفسیر معارف القرآن، علمی

شاہکار ہیں۔ تفسیر معارف القرآن آٹھ جلدوں میں مکمل ہوئی، جس کے متعلق شیخ ظفر احمد عثمانیؒ کی رائے ہے کہ مفتی صاحبؒ نے اس تفسیر کو لکھ کر تمام علماء اور مفسرین پر احسانِ عظیم کیا ہے۔ انہوں نے حضرت تھانویؒ کے ایماء پر تحریکِ پاکستان میں حصہ لیا اور کھل کر مسلم لیگ کی حمایت کرتے رہے۔ ۱۳۷۰ھ میں نہایت بے سروسامانی کے عالم میں ایک مدرسہ کراچی میں قائم کیا، جو صرف چند ماہ کے بعد ایک مرکزی دارالعلوم کی شکل اختیار کر گیا، جس میں دو ہزار سے زائد طلباء تحصیلِ علم میں مصروف ہیں اور ملک بھر میں جس کی شاخیں موجود ہیں۔ دارالعلوم سے ایک دینی جریدہ ''ماہنامہ البلاغ'' نکلتا ہے۔ ۹ اور ۱۰/شوال المکرّم ۱۳۹۶ھ مطابق ۵ اور ۶/ اکتوبر ۱۹۷۶ء کی درمیانی شب ان کا انتقال ہوا۔ ایک لاکھ سے زائد مسلمانوں نے ان کے جنازہ میں شرکت کی اور حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب عارفی نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔''(۱)

مفتی محمد شفیع عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہِ رسالت ﷺ میں باادب حاضری

مفتی محمد شفیع عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدماتِ سیرت کا جائزہ لیتے وقت اس بات کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ وہ جناب رسول اللہ ﷺ کے ایک صادق عقیدت مند تھے۔ اظہار الحسن محمود کے بقول:

''مفتی محمد شفیع جب مدینہ طیبہ جاتے تو کبھی روضۂ اقدس کی جالی تک پہنچ ہی نہیں پاتے تھے، بلکہ ہمیشہ یہ دیکھا کہ جالیوں کے سامنے ستون سے لگ کر کھڑے ہو جاتے، وہاں اگر کوئی کھڑا ہوتا تو اس کے پیچھے کھڑے رہتے، ایک دن فرمانے لگے کہ: ایک مرتبہ میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ شاید تو بڑا شقی القلب ہے، یہ اللہ کے بندے ہیں، جو جالی کے قریب تک پہنچ جاتے ہیں اور قرب حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، سرکارِ دوعالم ﷺ کا جتنا بھی قرب حاصل ہو جائے، نعمت ہی نعمت ہے، لیکن کیا کروں کہ میرا قدم آگے بڑھتا ہی نہیں، آپ ادب واحترام اور عشقِ رسول ﷺ کے جذبے کے تحت عاجزی و بے نیازی، انکساری کا مظاہرہ فرماتے اور روضۂ رسول ﷺ کی حاضری کے آداب کو ہمیشہ ملحوظ رکھتے۔''(۲)

مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ کا اسلوبِ تحریر

مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر کی خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں:

ان کی تحریر میں بے ساختگی اور سلاست ہے، جب وہ قلم اٹھاتے ہیں تو اسے ایسے عام فہم انداز میں تحریر کرتے ہیں کہ عام اردو داں قاری بھی اس سے استفادہ کرسکتا ہے۔ عبارت میں بے جا طول نہیں پایا جاتا، ان کی تحریر غیر مانوس الفاظ کے استعمال سے مبرّا نظر آتی ہے۔ ان کی تحریر میں فقروں کی تکرار نہیں

ہوتی اور نہ ہی کوئی تشنگی پائی جاتی ہے، بلکہ وہ جس عنوان کو لیتے ہیں اس کا بھرپور انداز میں حق ادا کرتے نظر آتے ہیں۔ ان کے تفکر میں قوتِ استدلال پایا جاتا ہے۔ ان کے مضامین کی ترتیب دلکش نظر آتی ہے۔

مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ کی سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر لکھی ہوئی ایک کتاب ''سیرتِ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم'' ہے، جس کے متعلق مفتی محمد تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں:

''یہ کتاب سیرتِ طیبہ کے اہم گوشوں اور پہلوؤں پر عشقِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے معمور اور مخمور ہو کر لکھی گئی ہے، اپنے موضوع پر نہایت آسان اُسلوب اور مختصر پیرائے میں تالیف کی گئی ہے۔ یہ ہند و پاک کے متعدد مدارس میں داخلِ نصاب ہے اور اس کے متعدد ہندی، گجراتی اور بنگالی وغیرہ زبانوں میں ترجمے شائع ہو چکے ہیں۔''(۳)

مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ کی کتبِ سیرت کا تعارف

مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ کی کتبِ سیرت کے ناموں کی فہرست اور تعارف درجِ ذیل ہے:

سیرتِ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم

مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''سیرتِ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم'' میں جامعیت واختصار کو احسن پیرائے میں سمو دیا ہے۔ اس کتاب کے کل ۸۰ صفحات ہیں اور ۸۵ عنوانات ہیں جس میں مفتی صاحب نے خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت با سعادت تا وفات حسرت آیات، تمام اہم واقعات، غزوات، اَسفار، معجزات اور اخلاق وخصائل کو بیان کر دیا ہے۔ ساتھ ہی مستشرقین کے اعتراضات وشبہات کے جوابات بھی دیے ہیں۔

مفتی صاحبؒ نے اس کتاب کو مستند بنانے کے لیے مآخذِ سیرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھرپور استفادہ کیا ہے اور معتبر کتب سے واقعات سپردِ قلم کیے ہیں۔ ان کتابوں میں کتبِ ستہ مع شروح، مشکوٰۃ المصابیح، کنز العمال، خصائصِ کبریٰ، مختصر سیرتِ مغلطائی، سیرت ابنِ ہشام، الإصابة في تمييز الصحابةؓ، فتح الباری، شفاء از قاضی عیاض مع شرح خفاجی، مواہبِ لدنیہ، سیرتِ حلبیہ، زاد المعاد از ابن قیم، تاریخِ ابن عساکر، سرور المحزون، أوجز السير از شیخ ابن فارس اور نشر الطیب وغیرہ شامل ہیں۔ کتابِ مذکورہ، وفاق المدارس پاکستان کی کتبِ نصاب میں بھی شامل ہے۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبرِ امن وسلامتی

''رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبرِ امن وسلامتی''، مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خطاب کی مطبوعہ شکل ہے، جس میں انہوں نے پیغمبرِ اسلام کے اسی وصف اور امتیاز کو بڑے احسن انداز میں پیش کیا ہے۔

آداب النبی ﷺ

مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب ''آداب النبی ﷺ'' میں حضور رسول اللہ ﷺ کے شمائل واخلاق کو بیان کیا ہے۔

المأمول المقبول في ظل الرسول ﷺ (سایۂ رسول ﷺ)

''المأمول المقبول في ظل الرسول ﷺ'' جوکہ ''سایۂ رسول ﷺ'' کے نام سے طبع ہوئی ہے۔ کتاب مذکورہ میں ''خصائصِ کبریٰ'' کی اس روایت کا تحقیقی جائزہ لیا گیا ہے، جس میں یہ مذکور ہے کہ حضور رسول اللہ ﷺ کا سایہ نہیں پڑتا تھا۔

ختم النبوة في القرآن

۲۷۰ صفحات پر مشتمل کتاب ''ختم النبوة في القرآن'' مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ کی عظیم الشان ''ختمِ نبوت کامل'' (بر سہ حصص) کا پہلا حصہ ہے۔ اس میں ۱۰۰ سے زائد آیاتِ قرآنیہ کی تفسیر وتشریح کرکے مسئلۂ ختمِ نبوت کے مختلف پہلوکو اُجاگر کیا گیا ہے۔ مفتی صاحبؒ کتاب مذکورہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

> ''آج کوئی شخص کسی آیت کی تفسیر معلوم کرنا چاہے، اس کے لیے نہایت سہل اور سلامتی کا راستہ یہ ہے کہ وہ سلف صالحین صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمہم اللہ کی تفاسیر کو اپنا قدوہ بنا کر ان کی اختیار کردہ تفسیر کو قرآن کی مراد سمجھے اور جو کوئی معنی جمہور صحابہؓ وتابعینؒ واسلافِ اُمت کے خلاف سمجھ میں آئیں، اُن کو اپنی غلط فہمی اور قصورِ علم کا نتیجہ سمجھے۔'' (۴)

هدية المهديين في آيات خاتم النبيين ﷺ

مفتی صاحبؒ کی کتاب ''هدية المهديين في آيات خاتم النبيين ﷺ'' عربی زبان میں عقیدۂ ختمِ نبوت کے سلسلہ کی تفسیری خدمت ہے۔ اہلیانِ عرب کے مسلمانوں کو قادیانیوں کے مکر وفریب سے آگاہی کے لیے کتاب مذکورہ تحریر کی گئی، جوکہ سیرتِ طیبہ کے اہم پہلو ختمِ نبوت اور رسولِ اکرم ﷺ کی آفاقی واَبدی رسالت ونبوت کے متعلق ہے۔ مفتی صاحبؒ نے مدلل انداز میں کتابِ مذکورہ میں ختمِ نبوت کے موضوع کو بیان کیا ہے۔

ختم النبوة في الحديث

کتاب ''ختم النبوة في الحديث'' ختمِ نبوت پر دلالت کرنے والی احادیث کا مجموعہ ہے۔ اس کتاب کو ''ختمِ نبوت (کامل)'' میں شامل کرلیا گیا ہے۔

جوامع الکلم

مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''جوامع الکلم'' اخلاق وآداب کے متعلق چالیس حدیثوں پر مشتمل ہے اور ''سیرتِ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم'' کے آخر میں بھی شائع ہوئی ہے۔

مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ اور سیرت نگاری

مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''سیرتِ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم'' کے متعلق مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''اختصار کے ساتھ جامع اس قدر معلوم ہوتا تھا کہ گویا کوئی واقعہ نظر سے اوجھل نہیں ہوا، خصوصاً عبارات کا انداز جس سے واقعات اصلی حالات پر جاندار نظر آنے لگے۔ مضامین پڑھتے وقت بے تکلف ایسا معلوم ہوتا تھا، جیسے ہر واقعہ میں، میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں اور واقعات کا معائنہ کر رہا ہوں، اس کا سبب بیان کی بلاغت ہے۔ جب رسالہ ختم کر چکا تو واقعہ کا مرتب نقشہ ایسا مجتمع ہوتا تھا کہ میں خود اس کی کوشش کرتا تو کامیاب نہ ہوسکتا تھا۔ ہر واقعہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی شان نظروں میں سما جاتی ہے کہ پہلے سے بہت زیادہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت وعظمت قلب میں بڑھ گئی اور یہ سب کچھ اس تالیف کی برکت سے ہوا۔ ہاں! ایک بات اور یاد آ گئی کہ مؤلف سے محبت بڑھ گئی ہے۔''(۵)

مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''سیرتِ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم'' کے متعلق مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''جن حضرات کو مختصر سیرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دیکھنی ہو، وہ اس کا مطالعہ فرمائیں، اختصار کے ساتھ معتمد علیہ اور مستند نقل میں ان شاء اللہ دستیاب ہو جائے گی۔''(۶)

مولانا عزیز الرحمٰن عثمانی رحمۃ اللہ علیہ ''سیرتِ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم'' کے متعلق لکھتے ہیں:

''کتاب کے مطالعہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں اضافہ اور دو چند ہو جاتا ہے۔''(۷)

مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت نگاری کے نظائر

مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ نے ''سیرتِ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم'' میں مستشرقین کے اعتراضات وشبہات کے جوابات دیے ہیں، مثلاً: ازواج پر اعتراضات کے جوابات، اس اعتراض کا جواب کہ اسلام تلوار کے زور سے نہیں پھیلا اور اسیرانِ جنگِ بدر سے معاملہ وغیرہ شامل ہیں۔ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت نگاری کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ انہوں نے حوالہ جات کا صرف اہتمام ہی نہیں کیا، بلکہ ساتھ ساتھ حواشی بھی لکھے ہیں جس

سے اگر قاری چاہے تو اس بارے میں مزید تفصیل حواشی میں دیکھ سکتا ہے۔

❶ - محمد رسول اللہ ﷺ کا مُحبانہ ذکرِ ولادت

مولانا محمد شفیع عثمانی رحمۃ اللہ علیہ جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی ولادتِ شریفہ کے متعلق لکھتے ہیں:

''جس سال اصحابِ فیل کا حملہ ہوا، اس کے ماہ ربیع الاول کی بارہویں تاریخ روز دوشنبہ دنیا کی عمر میں ایک نرالہ دن ہے کہ آج پیدائشِ عالم کا مقصد، لیل ونہار کے انقلاب کی اصلی غرض و اولادِ آدم کا فخر، کشتیِ نوحؑ کی حفاظت کا راز، ابراہیمؑ کی دعا اور موسیٰؑ وعیسیٰؑ کی پیشین گوئیوں کا مصداق یعنی ہمارے آقائے نامدار محمد رسول اللہ ﷺ رونق افروز عالم ہوتے ہیں۔''(۸)

ماشاءاللہ حضرت مفتی محمد شفیع عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضور اکرم ﷺ کی ولادتِ شریفہ کا انتہائی خوبصورت اور عشق سے بھرپور والہانہ تذکرہ فرمایا ہے، اس سے مفتی صاحبؒ کے عشقِ رسول کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

❷ - تعدادِ ازواج کے متعلق ضروری تنبیہ

مولانا محمد شفیع عثمانی رحمۃ اللہ علیہ تعدادِ ازاج کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ:

''اگر کوئی شپرہ چشم آفتابِ نبوت کی عظمت وجلال کو بھی نہ دیکھ سکے اور آپ ﷺ کے اخلاق، اعمال، تقویٰ، طہارت، زہدوریاضت، اور مقدس زندگی کے تمام گردوپیش کے حالات سے بھی آنکھ چرالے، تو خود ان متعدد نکاحوں کے واقعات وحالات ہی اس کو یہ کہنے پر مجبور کریں گے کہ تعددِ ازواج یقیناً کوئی نفسیانی خواہش پر مبنی نہ تھا، ورنہ ساری عمر ایک سن رسیدہ عورت کے ساتھ گزار دینا، پچپن سالہ کو اس کام کے لیے تجویز کرنا کسی انسان کی عقل تسلیم نہیں کرسکتی۔''(۹)

بہرکیف مولانا محمد شفیع عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے تعددِ ازواج پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ مفتی صاحبؒ لکھتے ہیں کہ:

''ایک مرد کے لیے متعدد بیبیاں رکھنا اسلام سے پہلے بھی دنیا کے تقریباً تمام مذاہب میں جائز سمجھا جاتا تھا۔''(۱۰)

مفتی صاحبؒ آگے لکھتے ہیں:

''کسی مذہب اور کسی قانون نے اس پر کوئی حد نہ لگائی تھی، نہ یہود نے، نہ نصاریٰ نے، نہ ہندوؤں نے، نہ آریوں نے، نہ پارسیوں نے، اسلام کے ابتدائی زمانہ میں بھی یہ رسم اسی طرح بغیر تحدید کے جاری رہی۔ بعض صحابہؓ کے نکاح میں چار سے زائد عورتیں تھیں۔ حضرت

خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں بھی خاص خاص اسلامی ضرورتوں کی بنا پر دس ازواج تک جمع ہوگئیں، پھر جب اس کثرتِ ازواج سے عورتوں کی حق تلفی ہونے لگی، لوگ اول تو حرص میں بہت سے نکاح کر لیتے تھے، مگر پھر ان سب کے حقوق ادا نہ کر سکتے تھے، قرآن عزیز کا ابدی قانون جو دنیا سے ظلم و جور مٹانے کے لیے ہی نازل ہوا ہے، اس نے فطری ضرورتوں کا لحاظ رکھتے ہوئے تعددِ ازواج کو بالکل منع تو نہ کیا، لیکن اس کی خرابیوں کی اصلاح ایک تحدید کے ذریعے سے کردی اور یہ ارشادِ خداوندی نازل ہوا کہ اب صرف چار عورتوں تک نکاح کر سکتے ہو اور وہ بھی اس شرط پر کہ تم چاروں کے حقوق برابر ادا کر سکو اور اگر اتنی ہمت نہ ہو تو پھر ایک سے زیادہ رکھنا ظلم ہے۔ اس ارشاد کے بعد باجماعِ اُمت چار سے زائد بیبیوں کا نکاح میں جمع رکھنا حرام ہو گیا۔ (۱۱)

❸- بیت اللہ کی قریشی تعمیر

مفتی محمد شفیع عثمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''جب آپ کی عمر شریف پینتیس سال کی ہوئی تو اس وقت قریش نے بیت اللہ کی ازسرِنو تعمیر کا فیصلہ کیا۔ تعمیر کو قبائل میں تقسیم کرنے کی نوبت آئی، تاکہ کوئی جھگڑا پیش نہ آئے۔ اسی تقسیم کے عمل کے ساتھ بناء کعبہ حجرِ اسود کی حد تک پہنچ گئی، لیکن اب حجرِ اسود کو اُٹھا کر تعمیر میں نصب کرنے کے متعلق سخت اختلاف ہوا اور ہر قبیلہ اور ہر شخص کی خواہش تھی کہ وہ اس کی سعادت کو حاصل کرے، یہاں تک کہ قتل و قتال پر عہد و پیماں ہونے لگے۔ قوم کے بعض سنجیدہ لوگوں نے ارادہ کیا کہ مشورہ کر کے کوئی صلاح کی صورت نکالیں اور اس غرض کے لیے مسجد میں گئے۔ مشوہ میں یہ طے ہوا کہ جو شخص سب سے پہلے مسجد کے دروازے سے داخل ہو وہ تمہارے معاملے کا فیصلہ کرے اور اس کے حکم کو ہر شخص دستِ قدرت کا فیصلہ سمجھ کر تسلیم کرے۔

خدا کی قدرت کہ سب سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس دروازے سے داخل ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ یہ امین ہیں، ہم ان کے حکم پر راضی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور وہ حکیمانہ فیصلہ کیا کہ سب خوش ہو گئے، یعنی ایک چادر پھیلا دی اور اس میں حجرِ اسود کو اپنے ہاتھوں سے اُٹھا کر رکھ دیا اور پھر حکم دیا کہ ہر قبیلہ کا منتخب آدمی چادر کا ایک ایک کنارہ پکڑ لے، اس طرح کیا گیا، جب بنیاد تک پہنچ گیا تو خود اپنے ہاتھوں سے اُٹھا کر رکھ دیا۔'' (۱۲)

مفتی صاحبؒ، قریشی تعمیر کے حواشی میں لکھتے ہیں:

''اس سے پہلے بیت اللہ کی تعمیر اول حضرت شیثؑ نے کی اور پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کی

تھی۔''(۱۳)

بیت اللہ کی تعمیر کے حوالے سے قرآن مجید میں ارشاد ہوا:

''اِنَّ اَوَّلَ بَيۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىۡ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ''(۱۴)

''بیشک لوگوں کے لیے جو سب سے پہلا گھر مقرر ہوا، یہی ہے جو مکہ میں برکت والا ہے اور جہان کے لوگوں کے لیے راہ نما ہے۔''

دراصل مکہ کے تین نام ہیں: مکہ، بکہ اور اُمّ القریٰ، اُمّ القریٰ ہی سے نبی الامّی بنا ہے، یعنی نبی مکہ کا رہنے والا۔ اُمّ القریٰ کے حوالے سے قرآن مجید میں ارشاد ہوا:

''وَ كَذٰلِكَ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ قُرۡاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنۡذِرَ اُمَّ الۡقُرٰى وَمَنۡ حَوۡلَهَا وَتُنۡذِرَ يَوۡمَ الۡجَمۡعِ لَا رَيۡبَ فِيۡهِ ''(۱۵)

''اور اسی طرح ہم نے آپ پر عربی زبان میں قرآن نازل کیا، تاکہ آپ مکہ والوں اور اس کے آس پاس والوں کو ڈرائیں اور قیامت کے دن سے بھی ڈرائیں جس میں کوئی شبہ نہیں۔''

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اللہ رب العلمین کے بنائے ہوئے کعبۃ اللہ کے آثار کو ریت کے نیچے سے باہر نکالا اور اس کے اوپر مزید تعمیر کی، جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوا:

''وَاِذۡ يَرۡفَعُ اِبۡرٰهٖمُ الۡقَوَاعِدَ مِنَ الۡبَيۡتِ وَاِسۡمٰعِيۡلُ رَبَّنَا تَقَبَّلۡ مِنَّا اِنَّكَ اَنۡتَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ ''(۱۶)

''اور جب ابراہیم اور اسماعیل کعبہ کی بنیادیں اُٹھا رہے تھے، (کہا:) اے ہمارے رب! ہم سے قبول کر، بے شک تو ہی سننے والا جاننے والا ہے۔''

اور ارشاد ہوا:

''وَاِذۡ جَعَلۡنَا الۡبَيۡتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمۡنًا وَاتَّخِذُوۡا مِنۡ مَّقَامِ اِبۡرٰهٖمَ مُصَلًّى وَعَهِدۡنَاۤ اِلٰۤى اِبۡرٰهٖمَ وَاِسۡمٰعِيۡلَ اَنۡ طَهِّرَا بَيۡتِىَ لِلطَّآئِفِيۡنَ وَالۡعٰكِفِيۡنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوۡدِ ''(۱۷)

''اور جب ہم نے کعبہ کو لوگوں کے لیے عبادت گاہ اور امن کی جگہ بنایا، (اور فرمایا) مقامِ ابراہیم کو نماز کی جگہ بناؤ، اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل سے عہد لیا کہ میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع کرنے والوں اور سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک رکھو۔''

ثابت ہوا کہ کعبۃ اللہ کو سب سے پہلے اللہ نے تعمیر کیا، اس کے بعد انسانوں نے مختلف ادوار میں تعمیر کیا۔

④-اسیران کے ساتھ مسلمانوں کا سلوک

مفتی محمد شفیع عثمانی رحمۃ اللہ علیہ ’’اسیرانِ جنگ بدر کے ساتھ مسلمانوں کا سلوک، تہذیب کے مدعی یورپیوں کے لیے سبق‘‘ کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں کہ:

’’اسیرانِ جنگ بدر جب مدینہ طیبہ پہنچے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دو چار چار کر کے صحابہؓ میں تقسیم کر دیے، اور سب کو حکم فرمایا کہ ان کو آرام کے ساتھ رکھیں، جس کا اثر یہ تھا کہ صحابہؓ اُن کو کھانا کھلاتے اور خود صرف کھجوروں پر بسر کرتے۔‘‘(۱۸)

مزید لکھتے ہیں کہ:

’’بدر کے قیدیوں کے پاس کپڑے نہ تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کے کپڑے دلوا دیے۔‘‘(۱۹)

ثابت ہوا کہ جنگی حالات میں بھی اسلام انسانوں کے ساتھ حسنِ سلوک کی تعلیم دیتا ہے۔ اسلام نے جنگ کے اصول وضوابط بھی مقرر کیے ہیں جو اسے دنیا کے دیگر ادیان سے ممتاز کرتے ہیں۔

⑤-غزوۂ بدر ایک کھلا معجزہ

مفتی محمد شفیع عثمانی رحمۃ اللہ علیہ جنگِ بدر کی فتح کے متعلق لکھتے ہیں:

’’یہ غزوہ دراصل اول سے آخر تک اسلام کا کھلا معجزہ تھا، ورنہ اس میں مسلمانوں کی فتح کوئی معنی نہیں رکھتی، کیوں کہ ادھر ایک ہزار نوجوانوں کا عظیم الشان لشکر ہے اور ادھر صرف تین سو چودہ آدمی۔‘‘(۲۰)

معروف یہی ہے کہ غزوۂ بدر میں اہلِ ایمان کی تعداد تین سو تیرہ تھی۔ الغرض مفتی صاحب آگے لکھتے ہیں:

’’ادھر بڑے بڑے دولت مند امراء ہیں، جو تنہا سارے لشکر کی رسد وغیرہ کا خرچ اُٹھا سکتے ہیں اور ادھر بے سرو سامان، مفلس لوگ، ادھر سواروں کی جمعیت، اور ادھر مسلمانوں کے لشکر میں صرف دو گھوڑے، ادھر ہر قسم کے ہتھیار و اسلحہ کی بھر مار اور ادھر صرف معدود تلواریں۔‘‘(۲۱)

مفتی صاحبؒ کی اس منظر کشی پر قرآن مجید کی آیت یاد آ گئی، جس میں ارشاد ہوا:

’’وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ، الخ‘‘(۲۲)

مفتی محمد شفیع عثمانی رحمۃ اللہ علیہ مزید لکھتے ہیں:

’’یورپین مؤرخین حیرت میں ہیں کہ یہ کیسے ہو گیا! انہیں خبر نہیں کہ فتح ونصرت، کامیابی یا ناکامی گھوڑوں اور تلواروں یا مال دولت کے قبضے میں نہیں ہیں، بلکہ اس میں اور کوئی ہاتھ کارفرما ہے، لیکن اسبابِ ظاہری کے دلدادہ، برق و بھاپ کے پوجنے والے کہاں اس حقیقت تک پہنچ سکتے

ہیں۔‘‘(۲۳)

اللہ رب العالمین نے مؤمنوں کو حکم دیا ہے کہ:

’’وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ اللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ۚ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ‘‘(۲۴)

’’اور ان سے لڑنے کے لیے جو کچھ قوت سے اور صحت مند گھوڑوں سے جمع کرسکو، سو تیار رکھو کہ اس سے اللہ کے دشمنوں پر اور تمہارے دشمنوں پر اور ان کے سوا دوسروں پر رعب پڑے، جنہیں تم نہیں جانتے اللہ انہیں جانتا ہے، اور اللہ کی راہ میں جو کچھ تم خرچ کرو گے تمہیں (اس کا ثواب) پورا ملے گا اور تم سے بے انصافی نہیں ہوگی۔‘‘

اس لیے جنگ کی تیاری کے حکم سے صرفِ نظر نہیں کرنی چاہیے۔

6- مدینہ طیبہ میں اسلام

مفتی محمد شفیع عثمانی رحمۃ اللہ علیہ مدینہ طیبہ میں اسلام کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

’’جب اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا کہ اسلام کی اشاعت اور ترقی ہو تو قبیلہ اوس کے چند آدمی مدینہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیج دیے، جن میں سے اس سال دو شخص اسد بن زرارہ اور ذکوان بن عبد قیس مشرف با سلام ہوئے اور پھر آئندہ سال ان میں سے کچھ اور آئے، جن میں سے چھ یا آٹھ آدمی مسلمان ہوئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ کیا تم پیغامِ خداوندی کی تبلیغ میں میری مدد کرو گے؟ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ابھی ہماری آپس کی اوس اور خزرج کی خانہ جنگیاں ہو رہی ہیں، اگر اس وقت جناب مدینہ تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت پر سب کا اجتماع نہ ہو سکے گا، ابھی ایک سال اس ارادہ کو ملتوی فرما دیں۔ ممکن ہے کہ ہماری آپس میں صلح ہو جائے اور پھر اوس و خزرج مل کر اسلام قبول کرلیں۔ آئندہ سال ہم پھر حاضرِ خدمت ہوں گے، اس وقت اس کا فیصلہ ہو سکے گا۔‘‘(۲۵)

مفتی محمد شفیع عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اس کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

’’اس وقت مدینہ کی آبادی دو قسم کے لوگوں پر مشتمل تھی: مشرکین اور اہلِ کتاب۔ مشرکین دو بڑے قبیلوں میں منقسم تھے: اوس اور خزرج، اور یہ دونوں آپس میں ہمیشہ لڑتے رہتے تھے، اور تقریباً ایک سو بیس سال سے ان کے درمیان آپس میں جنگ کا سلسلہ جاری تھا۔‘‘(۲۶)

❼ - مدینہ میں تعلیم قرآن کا انتظام

مفتی محمد شفیع عثمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''اوس اور خزرج کے ذمہ دار لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خط لکھا کہ یہاں الحمد للہ اسلام کی اشاعت ہوچکی ہے، اب کسی صاحب کو ہمارے یہاں بھیج دیجیے، جو ہمیں قرآن شریف پڑھائے اور لوگوں کو اسلام کی دعوت اور ہمیں احکامِ شریعہ کی تعلیم دے، اور نماز میں ہمارے لیے امام بنے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو تعلیم قرآن کے لیے بھیج دیا اور اسلام میں سب سے پہلے مدرسہ کی بنیاد مدینہ طیبہ میں پڑ گئی۔'' (۲۷)

یہ مدینہ طیبہ کے مضافاتی علاقے کا ابتدائی مدرسہ ہوگا، مدرسہ صفہ نہیں تھا، وہ تو بعد میں شہر کے وسط میں مسجد نبوی کے ساتھ قائم کیا گیا تھا۔

❽ - اسلام میں تعلیم کی اہمیت

مفتی محمد شفیع عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اسیرانِ جنگِ بدر کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''اسیرانِ جنگ میں جو لوگ فدیہ نہیں دے سکتے تھے، ان میں جو لوگ لکھنا پڑھنا جانتے تھے، ان سے کہا گیا کہ تم دس بچوں کو لکھنا سکھا دو، یہی تمہارا فدیہ ہے۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اسی طرح لکھنا سیکھا تھا۔'' (۲۸)

اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اسلام میں تعلیم کی کتنی اہمیت ہے کہ کافر و مشرک سے بھی لکھنا پڑھنا سیکھ سکتے ہیں۔ نیز یہ کہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں، آپ مشہور کاتبِ قرآن ہیں جنہوں نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے عہد میں سرکاری سطح پر قرآن کی کتابت کی خدمات پیش کیں۔

❾ - دین میں ''جبر'' نہیں

مفتی محمد شفیع عثمانی رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں:

''اس وقت تک جو ہزارہا انسان اسلام کے حلقہ بگوش بن کر ہر قسم کے مصائب کا نشانہ بننے پر راضی ہوئے، ظاہر ہے کہ وہ کسی دنیاوی طمع یا حکومت کے جبر یا تلواروں کے ذریعے سے مجبور نہیں ہوسکتے۔ اس کھلی ہوئی ہدایت کو دیکھتے ہوئے بھی کیا وہ لوگ خدا سے نہ شرمائیں گے، جو اسلام کی حقانیت پر پردہ ڈالنے کے لیے کہا کرتے ہیں کہ اسلام بزورِ شمشیر پھیلایا گیا؟! وہ اس کا کوئی جواب دے سکتے ہیں کہ ان تلوار چلانے والوں پر کس نے تلوار چلائی تھی؟! جو نہ صرف

مسلمان بنے، بلکہ اسلام کی حمایت میں تلوار اُٹھانے اور اپنی جانوں کو خطرے میں ڈالنے پر راضی ہو گئے۔کیا وہ بتا سکتے ہیں کہ صدیق اکبر، فاروق اعظم، عثمان غنی، علی المرتضی رضی اللہ عنہم پر کس نے تلوار چلا کر ان کو مسلمان بنایا تھا؟! اور ابوذر رضی اللہ عنہ وانس رضی اللہ عنہ اور ان کے قبیلے کو کس نے مجبور کیا تھا کہ وہ سب کے سب مسلمان ہو گئے؟! ضماد ازدی رضی اللہ عنہ کو کس نے مجبور کیا تھا؟ اور طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ اور ان کے قبیلے پر کس نے تلوار چلائی تھی؟ اور قبیلہ بنی عبد اشہل کو کس نے دبایا تھا اور تمام انصارِ مدینہ پر کس نے زور دیا تھا؟! جنہوں نے نہ صرف اسلام قبول کیا، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ہاں بلا کر تمام ذمہ داری اپنے سر لی اور اپنی جان و مال آپ پر قربان کیے۔ بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ کو کس نے مجبور کیا کہ ستر آدمیوں کی جماعت لے کر مدینہ کے راستے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بارضا ورغبت مسلمان ہو گئے۔نجاشی رضی اللہ عنہ بادشاہ حبشہ پر کون سی تلوار چلی تھی کہ وہ باوجود اپنی سلطنت وشوکت کے قبل از ہجرت مسلمان ہو گئے۔ ابو ہند رضی اللہ عنہ، تمیم رضی اللہ عنہ اور نعیم رضی اللہ عنہ وغیرہ وغیرہ پر کس نے زور دیا تھا کہ ملک شام سے سفر کر کے آپ کی خدمت میں پہنچیں اور آپ کی غلامی اختیار کریں۔اسی قسم کے صدہا واقعات ہیں، جن سے کتبِ تاریخ بھری ہوئی ہیں۔ یہ ناقابلِ انکار مشاہدات ہیں، جن کو دیکھ کر ہر انسان یہ یقین رکھے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اسلام اپنی اشاعت میں تلوار کا محتاج نہیں، اور نہ فرضیتِ جہاد کا یہ مقصد ہوسکتا ہے کہ لوگوں کے گلے پر تلوار رکھ کر کہا جائے کہ مسلمان ہو جاؤ، یا ان کو کسی جبر واکراہ سے اسلام میں داخل کیا جائے۔ جہاد کے ساتھ ہی جزیہ کے احکام اور کفار کو اہلِ ذمہ بنا کر ان کے جان و مال کی حفاظت بالکل مسلمانوں کی طرح کرنے کے متعلق اسلامی قواعد خود اس کی شہادت ہیں کہ اسلام نے کبھی کفار کو اسلام قبول کرنے پر بعد فرضیتِ جہاد بھی مجبور نہیں کیا، اس لیے ایک منصف مزاج انسان کا فرض ہے کہ ٹھنڈے دل سے اس پر غور کرے کہ اسلام میں فرضیتِ جہاد کس غرض اور کن فوائد کے لیے ہوئی؟ اور اسے اس وقت تک یہ یقین کرنا پڑے گا کہ جس طرح وہ مذہب کامل نہیں سمجھا سکتا جس نے لوگوں کا گلا گھونٹ کر بالجبر واکراہ ان کو اپنے سلسلے میں داخل کیا ہو، اسی طرح وہ مذہب مکمل نہیں جس میں سیاست نہ ہو۔ وہ سیاست نہیں، جس کے ساتھ تلوار نہ ہو۔ وہ ڈاکٹر اپنے فن کا ماہر نہیں ہوسکتا، جو صرف مرہم لگانا جانتا ہو، مگر سڑے ہوئے فاسد شدہ اعضاء کا آپریشن کرنا نہیں جانتا۔‘‘(۲۹)

مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اسلامی تعلیمات کی بھرپور طریقے سے ترجمانی کی اور عقلی دلائل سے ثابت کیا ہے کہ یہ اسلام پر سراسر الزام ہے کہ وہ تلوار کے زور سے پھیلا ہے۔اسلام دین کے معاملے میں

زور زبردستی نہیں کرتا، جیسا کہ اللہ رب العالمین کا فرمان ہے:

''لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ''(۳۰)

''دین کے معاملے میں زبردستی نہیں ہے، بیشک ہدایت گمراہی سے ممتاز ہو چکی ہے، پھر جو شخص شیطان کو نہ مانے اور اللہ کو مانے تو اس نے مضبوط حلقہ پکڑ لیا جو ٹوٹنے والا نہیں، اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔''

اللہ رب العالمین نے ہر انسان کو مذہب اختیار کرنے کی آزادی دی ہے کہ وہ جو چاہے مذہب اختیار کرسکتا ہے، جیسا کہ فرمایا:

''وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ''(۳۱)

''اور کہہ دو! یہ (قرآن) حق ہے تمہارے رب کی طرف سے، اب جو چاہے مان جائے اور جو چاہے انکار کرے۔''

اور ارشاد فرمایا:

''وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ اَنْتُمْ بَرِيْٓـُٔوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ''(۳۲)

''اور اگر آپ کو جھٹلاتے رہیں تو یہ کہہ دیجئے کہ میرے لیے میرا عمل اور تمہارے لیے تمہارا عمل، تم میرے عمل سے بری ہو اور میں تمہارے عمل سے بری ہوں۔''

ایک روایت میں آیا کہ:

''بعث رسول اللهﷺ أبا موسى ومعاذبن جبل إلى اليمن، قال:وبعث كل واحدمنهما على مخلاف، قال:واليمن مخلافان، ثم قال:''يسرا ولا تعسرا، وبشرا ولا تنفرا''(۳۳)

یعنی ''رسول اللہ ﷺ نے ابوموسیٰ اشعری اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا۔ راوی نے بیان کیا کہ دونوں صحابیوں کو اس کے ایک ایک صوبے میں بھیجا۔ راوی نے بیان کیا کہ یمن کے دو صوبے تھے، پھر نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا کہ دیکھو لوگوں کے لیے آسانیاں پیدا کرنا، دشواریاں نہ پیدا کرنا، انہیں خوش کرنے کی کوشش کرنا، دین سے نفرت نہ دلانا۔''

اسلامی تعلیمات کا خلاصہ یہ ہے کہ لوگوں کے لیے آسانی پیدا کرنا، دین بدلنے پر کسی کو مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ تلوار کا استعمال صرف اُن پر کیا جاتا ہے جو اللہ کی مخلوق پر ظلم کرتے ہیں، دنیا کا امن تباہ کرتے ہیں، لوگوں کو اپنا غلام بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔

خلاصۂ بحث

مفتی محمد شفیع عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے عوامی زبان میں مختصر مگر جامع کتاب تالیف کر کے جماعت المؤمنین پر احسان کیا۔کتاب مذکورہ ایک اچھی کاوش ہے،جس کی تالیف پر مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحسین کے مستحق ہیں۔اللہ رب العالمین ان کی اس سعی کوشرفِ قبولیت عطا فرمائے،آمین

حواشی وحوالہ جات

۱- http://sunnionline.us/urdu/۲۰۱۸/۱۱/۱۲۰۴۷

۲-اظہارالحسن محمود،عشق رسول ﷺ اور علماء دیو بند(لاہور،مکتبۃ الحسن،سن ندارد)،ص:۲۳۵،۲۳۸

۳-ایضاً،ص:۵۰۲

۴-محمد شفیع،مفتی،ختم نبوت،(کراچی،مکتبہ معارف القرآن،۲۰۰۹ء)،ص:۵۷،۵۸

۵-تھانوی،اشرف علی،تقریظ سیرت خاتم الانبیاء،کراچی،دارالاشاعت،۲۰۱۴ء،ص:۷

۶-کشمیری،انورشاہ،تقریظ سیرت خاتم الانبیاء،کراچی،ص:۱۰

۷-عثمانی،عزیزالرحمٰن،مولانا،تقریظ سیرت خاتم الانبیاء ﷺ،ص:۹

۸-محمد شفیع،مفتی،سیرۃ خاتم الانبیاء ﷺ،(کراچی،مکتبہ عمر فاروق،شاہ فیصل کالونی،اشاعت اول،۲۰۱۵ء)،ص:۱۳

۹-محمد شفیع،سیرۃ خاتم الانبیاء ﷺ،ص:۲۵

۱۰-محمد شفیع،سیرۃ خاتم الانبیاء ﷺ،ص:۲۲

۱۱-ایضاً،ص:۲۳

۱۲-ایضاً،ص:۲۶

۱۳-ایضاً،ص:۲۶

۱۴-سورۃ آل عمران(۳)الآیۃ:۹۶

۱۵-سورۃ الشوریٰ(۴۲)الآیۃ:۷

۱۶-سورۃ البقرۃ(۲)الآیۃ:۱۲۷

۱۷-سورۃ البقرۃ(۲)الآیۃ:۱۲۵

۱۸-محمد شفیع،سیرۃ خاتم الانبیاء ﷺ،ص:۵۴

۱۹-ایضاً،ص:۵۵

۲۰-ایضاً،ص:۵۴

۲۱-ایضاً،ص:۵۴

۲۲-سورۃ آل عمران(۳)الآیۃ:۱۲۳

۲۳-محمد شفیع،سیرۃ خاتم الانبیاء ﷺ،ص:۵۴

۲۴-سورۃ الانفال(۸)الآیۃ:۶۰

۲۵-محمد شفیع،سیرۃ خاتم الانبیاء ﷺ،ص:۳۶۔۳۷

۲۶-ایضاً،ص:۳۷۔

۲۷-ایضاً،ص:۳۷۔

۲۸-ایضاً،ص:۵۶

۲۹-ایضاً،ص:۴۴-۴۵

۳۰-سورۃ البقرہ(۲)الآیۃ:۲۵۶

۳۱-سورۃ الکہف(۱۸)،الآیۃ:۲۹

۳۲-سورۃ یونس(۱۰)،الآیۃ:۴۱

۳۳-صحیح البخاری،کتاب العلم،الحدیث:۲۳۴۲

تلاوتِ قرآن کی تصحیح اور دُرستی کی اہمیت وضرورت

مفتی محمد عاصم کمال قاسمی
اعظم گڑھ، انڈیا

قرآن کریم باری تعالیٰ کا کلام ہے، رسول اللہ ﷺ کا سب سے بڑا معجزہ، کتابِ ہدایت اور دستورِ حیات ہے، حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ’’القُرْاٰنُ کتابُ کلِّ عَصْرٍ‘‘، ’’قرآن ہر زمانہ کی کتاب ہے۔‘‘ اس کے الفاظ کے ساتھ معانی کے تحفظ کا ذمہ قدرتِ خداوندی نے لیا ہے: ’’اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ‘‘، ’’ہم نے ہی قرآن نازل کیا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔‘‘ یہی وجہ ہے کہ صدیوں بعد بھی کسی لفظ اور کسی حرکت میں ذرا کمی بیشی واقع نہیں ہوئی اور ہمارا عقیدہ ہے کہ تا صبحِ قیامت قرآن یوں ہی محفوظ رہے گا؛ کیوں کہ قرآن نہ صرف مذہبی کتاب؛ بلکہ پوری انسانیت کے لیے قانونِ زندگی ہے، وہ مقدس اور عظمت وہیبت والا کلام ہے۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ جب تلاوت شروع کرتے تو بے ہوش ہوکر گرجاتے اور بے ساختہ اُن کی زبان پر جاری ہوتا: ’’هذا كلام ربي، هذا كلام ربي‘‘، ’’یہ میرے رب کا کلام ہے، یہ میرے رب کا کلام ہے۔‘‘ درحقیقت یہ رب العالمین کے فرمودات ہیں، قرآن کا شغل سب سے مقدس اور اس کی تلاوت باعثِ ثواب ہے، طہارتِ باطنی اور تزکیۂ قلب کا بہترین سامان ہے۔

تعلیمِ قرآن

قرآن کے نزول کے وقت مکہ مکرمہ میں پڑھے لکھے بہت کم تھے، قرآن جس قدر نازل ہوتا مسلمان اس کو یاد کرنے کا اہتمام کرتے؛ چنانچہ عہدِ نبوت سے اب تک اُمت نے ہر دور میں تعلیم قرآن پر توجہ دی ہے اور جس طرح اس کے الفاظ کا فہم حاصل کیا، اسی طرح اس کے معانی کی بھی مکمل تصحیح کی فکر رکھی ہے؛ قرآن کریم کے تعلیم وتعلّم کے سلسلے میں جناب رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

’’خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهٗ.‘‘ (البخاری، ابوداؤد) یعنی: ’’تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔‘‘

اس حدیث کے ذیل میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

''کلام پاک چوں کہ اصل دین ہے، اس کی بقا واشاعت ہی پر دین کا مدار ہے، اس لیے اس کے سیکھنے اور سکھانے کا افضل ہونا ظاہر ہے .... اس کا کمال (درجہ) یہ ہے کہ مطالب ومقاصد سمیت سیکھے اور ادنیٰ درجہ اس کا یہ ہے کہ فقط الفاظ سیکھے۔''

تلاوتِ قرآن کریم

انسانی ضابطہ ہے کہ جو شئے جتنی اہم اور قابلِ عظمت ہوتی ہے اُس کے آداب وحقوق بھی اسی قدر زیادہ ہوتے ہیں، اس کی شان کے مطابق اس کا پاس ولحاظ بھی لازم ہوتا ہے، اس میں کسی قسم کی ادنیٰ غفلت اور اس کے حقوق سے ادنیٰ لاپروائی بڑی محرومی کا سبب بن سکتی ہے، اور قرآن مجید جب کلامِ الٰہی ہے تو اس کے مقام ومرتبہ کا اندازہ انسانی وسعت سے خارج ہے، لہٰذا اس کتاب مبین کے حقوق ومراتب کی مکمل ادائیگی عامۃ الناس کی سکت سے باہر ہے؛ البتہ اس کے بہت سے ظاہری وباطنی آداب وحقوق ہیں، جن کی رعایت اس مقدس کتاب سے استفادہ کو آسان بنادے گی اور جب کہ یہ محبوب کا کلام ہے اور ہر عاشق مضطر کو اس سے زیادہ کس بات میں خوشی ہوگی کہ محبوب کے کلام سے شغل حاصل ہوجائے، اس سے سرگوشی کی سعادت نصیب ہوجائے اور محبوب بھی ایسا قدردان کہ سب سے زیادہ توجہ سے کلام کو سنتا ہے:

''عَنْ فُضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ رضي الله عنه قالَ: قالَ رسولُ الله صلى الله عليه وسلم: اَللّٰہُ اَشَدُّ اُذُنًا اِلٰی قَارِئِ الْقُرْاٰنِ مِنْ صَاحِبِ الْقَیْنَۃِ اِلٰی قَیْنَتِہٖ.'' (ابن ماجہ، حاکم)

''نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ''حق تعالیٰ شانہ قرآن پڑھنے والے کی آواز کی طرف اس شخص سے زیادہ کان لگاتے ہیں جو گانے والی باندی سے اپنا گانا سن رہا ہو۔''

تلاوتِ قرآن کے سلسلے میں پہلا حق یہ ہے کہ خوش الحانی سے پڑھے، عربی لہجہ میں پڑھنے کی کوشش کرے، گانے کی شکل پیدا نہ ہو، خوب بنا سنوار کر مکمل دلچسپی سے پڑھے؛ کیوں کہ نظم قرآن کی عمدگی اور آیاتِ قرآنی کا لاثانی اندازِ بیان لامحالہ طبیعت پر اثر انداز ہوتا ہے۔ حدیث رسول اللہ ﷺ میں ارشاد ہے:

''اِقْرَئُوْا الْقُرْاٰنَ بِلُحُوْنِ الْعَرَبِ وَاَصْوَاتِھَا.'' (شعب الایمان)

''قرآن کو عرب کے لہجے اور ان کی آواز میں پڑھو۔''

ایک اور روایت میں ارشاد ہے:

''حَسِّنُوْا الْقُرْاٰنَ بِاَصْوَاتِكُمْ؛فَاِنَّ الصَّوْتَ الْحَسَنَ یَزِیْدُ الْقُراٰنَ حُسْنًا'' (شعب الایمان)

''اچھی آواز سے قرآن کو پڑھا کرو؛ کیونکہ اچھی آواز قرآن کے حسن کو بڑھا دیتی ہے۔''

اور چوں کہ قرآن حکیم جس زبان (عربی) میں نازل ہوا ہے، وہ دنیا کی سب سے قدیم اور وسیع زبان

ہے۔ اس کے الفاظ اور حروف میں بڑی نزاکت ہے، بلکہ کسی قدر تکلف بھی ہے اور سنجیدہ وسلیم طبیعت اور پاکیزہ ذوق کی حامل ہے، اس لیے اس کی نزاکت کا تحمل بہت آسان نہیں، اس کے الفاظ وکلمات کو صحیح طور پر ادا کرنا غیر اہلِ زبان کے لیے مستقل ریاضت اور مشق کا متقاضی ہے؛ لہٰذا تلاوتِ قرآن میں حروف کی مکمل ادائیگی، ہر ہر لفظ کا درست تلفظ، کلمات کی رخوت وشدت کا خیال، تجوید کے ضروری قواعد اور مخارج وصفات کی رعایت ازحد ضروری ہے؛ چنانچہ حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت کیسی ہوتی تھی؟ تو حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت کی صفت بیان کی تو انھوں نے ایسی قراءت بیان کی جس کا ایک ایک حرف واضح کیا گیا تھا۔ (جامع الترمذی: ۲۹۲۳)

تصحیحِ قرآن کی ضرورت

کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے برائے استفادہ، یا اس سے متعلق یا ان سے ماخوذ جن علوم کی ترتیب عمل میں آئی ان میں ایک اہم فن ''علم تجوید وقراءت'' ہے اور یہ فن اس اعتبار سے بھی مہتم بالشان اور قابلِ عظمت ہوگیا کہ اس کا تعلق بلاواسطہ الفاظ وکلماتِ قرآن سے ہے۔ علومِ اسلامیہ میں اس علم کو کافی اہمیت حاصل رہی، قرونِ اولیٰ سے اب تک اس علم کی خدمت کرنے والے اور اس کو پروان چڑھانے والے ہر دور میں رہے، اور ساری اُمت کی جانب سے اس فرض کی کفایت فرماتے رہے، اور عامۃ المسلمین کو اس بات کی تلقین اور تبلیغ کرتے رہے کہ بحیثیت مسلم ممکن حد تک اس فریضہ کو انجام دیتے رہیں۔

''تجوید'' کا لغوی معنی تحسین وعمدگی ہے، اور ''ترتیل'' کے معنی ہیں ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا، اہلِ اُصول کے یہاں فنِ تجوید کا حاصل یہ ہے:

''قرآن کریم جس طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا، جس طرح آپ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو پڑھ کر سنایا، جس ادائیگی اور نہج سے اس کی تلاوت فرمائی اور جس طریقے پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ سے سیکھ کر اس کو پڑھا اور یوں قرآن آپ سے منقول ہو کر صحابہ رضی اللہ عنہم کے واسطے سے ساری دنیا میں نسل درنسل تواتر وتسلسل کے ساتھ پڑھا جارہا ہے، اسی اندازِ قراءت کا نام فنِ تجوید ہے۔'' (علم التعریفات)

اور زبانِ مبارک (صلی اللہ علیہ وسلم) سے صادر اسی کیفیتِ مخصوصہ کو اختیار کرنا اور بقدرِ استطاعت اس نہج پر تلاوت کرنا ضروری ہے؛ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلاً'' (سورۂ مزمل)

''اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر، صاف صاف اور عمدہ طریقے پر پڑھو''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ''ترتیل'' کی تفسیر تجویدِ حروف اور معرفتِ وقوف سے کی ہے۔ (الإتقان في

علوم القرآن)

’’اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتَابَ یَتْلُوْنَہٗ حَقَّ تِلَاوَتِہٖ‘‘ (البقرۃ:۱۲۱)

’’جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کی تلاوت کرتے ہیں، جیسا کہ اس کی تلاوت کا حق ہے۔‘‘

یعنی آداب و مخارج کی رعایت کے ساتھ پڑھنا چاہیے۔ علامہ ابوالخیر شمس الدین محمد بن محمد جزریؒ نے متعدد طرق سے اس کے وجوب کو ثابت کیا ہے، ’’المقدمة الجزرية‘‘ میں اُن کا مشہور قول ہے:

وَالْاَخْذُ بِالتَّجْوِیْدِ حَتْمٌ لَّازِمُ ... مَنْ لَّمْ یُجَوِّدِ الْقُرْاٰنَ اٰثِمُ

لِاَنَّہٗ بِہِ الْاِلٰہُ اَنْزَلَ ... وَھٰکَذَا مِنْہُ اِلَیْنَا وَصَلَ

یعنی تجوید کے ساتھ قرآن پڑھنا بہت ضروری ہے، جو قرآن تجوید سے نہ پڑھے گنہگار رہے؛ کیوں کہ اسی شکل میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل ہوا اور اسی شکل میں ہم تک پہنچا ہے۔

علامہ ابن جزریؒ نے مزید فرمایا: ’’تجوید تلاوت کا زیور اور قراءتِ قرآن کی زینت ہے، یعنی ہر لفظ کو اس کا حق اور مرتبہ دینا، جو کلمہ جس حصہ سے نکلتا ہے اس کو وہیں سے ادا کرنا اور اسی مخرج سے نکالنا اور بلا کسی سختی اور مشکل کے اس کو صحیح صحیح پڑھنا اور مکمل لطافت کے ساتھ اس کی ادائیگی کرنا۔‘‘ (النشر في القراءات العشر)

قرآن و حدیث میں تلاوت کی درستگی کی تاکید ملتی ہے، قرآن کریم کو خوش الحانی اور درست ادائیگی کے ساتھ پڑھنے کی کوشش ایمانی تقاضا اور اللہ تعالیٰ سے محبت کی دلیل ہے؛ لہٰذا قرآن عمدہ انداز میں پڑھنے کی فکر ہونی چاہیے، جتنا علم ہو مزید کی سعی جاری رہے، حروف کی مکمل ادائیگی ہو، جو حروف ایک جیسے مخرج کے ہیں بالخصوص ان کی ادائیگی میں کسی قدر تکلف سے کام لے، مثلاً: ’’وَلَا الضَّآلِّیْنَ‘‘ میں ’’ض‘‘ کو نہ ’’ظ‘‘ پڑھے، نہ ’’ذ‘‘، اسی طرح ’’س‘‘ اور ’’ش‘‘ میں فرق رکھے، ’’ز‘‘ اور ’’ج‘‘ میں امتیاز قائم کرے، ’’ہمزہ‘‘ اور ’’ع‘‘ ہر ایک کو اس کے مخرج سے ادا کرے، دونوں کو خلط ملط نہ کرے، جو حروف حلق سے نکلتے ہیں ان میں زیادہ مشق اور توجہ کی ضرورت ہوتی ہے، حروفِ صفیریہ (ز، س، ص) کو سمجھے۔ دیگر تجوید کے قواعد اور اصول کو سیکھے اور ان کی روشنی میں عمدہ سے عمدہ قرآن پڑھ کر سعادتِ دارین کا حقدار بن جائے؛ ورنہ بہت سے مواقع پر حروف کی غلط ادائیگی اور اس کا صحیح تلفظ نہ کرنے سے بسا اوقات کلمہ عربیت سے نکل جاتا ہے اور اس سے معنی کا فساد لازم آجاتا ہے اور اس سے نماز بھی باطل ہونے کا خدشہ رہتا ہے۔ اسی سبب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے: ’’رُبَّ تَالٍ لِلْقُرْاٰنِ وَالْقُرْاٰنُ یَلْعَنُہٗ‘‘ (احیاء علوم الدین) یعنی ’’بہت سے لوگ قرآن کی تلاوت اس انداز سے کرتے ہیں کہ قرآن اُن پر لعنت کرتا ہے۔‘‘

تمام اصلاحی حلقے، علمی و اسلامی ادارے جہاں معانی و مطالبِ قرآن کو اپنا نصب العین بناتے ہیں وہیں الفاظِ قرآن اور تصحیحِ حروف، تجوید و ترتیل کو بھی توجہ کا مرکز بناتے ہوئے ضرور نظر آتے ہیں، مدارس میں

شعبۂ تجوید کا قائم ہونا، خانقاہوں اور دعوتی راہوں میں تصحیحِ قرآن کے حلقوں کا لگنا اور از حد اُن کا اہتمام کرنا بالیقین اس علم کی اہمیت پر غماز ہیں، اور جب علماء وفضلاء، طلبۂ مدارس اور دین سے وابستہ اور دینی میدانوں میں سرگرم اشخاص قرآن کی تصحیح کے اتنے محتاج ہیں تو ایک عامی مسلمان کو اس کی کتنی سخت ضرورت ہوگی؟ اس کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

لمحۂ فکریہ

مسلمان تاریخ کے جس موڑ پر ہے، یقیناً وہ خدا اور کلامِ خدا سے بے زاری کی راہ دکھاتا ہے، اسباب اور مادیات کا داعی ہے، دنیوی تأثرات الحاد و لادینیت کی وادیِ تیہ میں بھٹکایا جارہا ہے، کامرانی کے عنوان پر ذلت و پستی کا سامان کیا جارہا ہے، مذہب کو ایک رسم ادائیگی کی چیز باور کرایا جارہا ہے اور مسلمانوں کے ظاہری وباطنی احوال، اقوال وافعال ان کی متاعِ اخروی کو سلب کرنے کے موجب ہیں، اس تناظر میں ’’کتابِ خداوندی‘‘ کا تعلق اور اس کا شغل ہی باعثِ نجات ہوسکتا ہے؛ بلکہ ہر زمانہ میں قرآن کا شغل سببِ نجات ہے، اس کے سوا تنگی اور ہلاکت ہی ہے؛ قرآن کے پیغام کو جان کر اس پر عمل پیرا ہونا، ہر ممکن طریقہ سے اس کا حق ادا کرنا، اس کا ادب واحترام اور اس کی درست تلاوت وقت کا اہم تقاضا ہے، پھر کیا وجہ ہے کہ ایک شفیق باپ اپنی نسل کی افزائش میں اور اپنی اولاد کے تابناک مستقبل کے لیے ہر خواب سجاتا ہے، اس کے لیے ترقی کا ہر خیالی محل تیار کرتا ہے، مگر کبھی اس جانب توجہ ہوئی کہ اس نسل میں قرآن کتنا محفوظ ہے؟ آنے والی بہو کے سارے اعمال واطوار جانچے جاتے ہیں، خاندان سے مکان تک، عزت سے سامان تک، ناک کی نتھ سے پاؤں کے پایل تک، اسکول سے کالج تک، قد اور طوالت وحجم اور سارے اُمور کا بغور اور بہت دلچسپی سے جائزہ لیا جاتا ہے کہ کہیں نئی نسل میں کوئی نقص نہ رہ جائے؛ لیکن کبھی اس جانب التفات ہوتا ہے کہ اس اساسِ نسل میں قرآن (جو ہر کامیابی کا راز ہے) کتنا زندہ ہے؟! وہ قرآن پر کتنی عامل اور اس کی تلاوت کیسی ہے؟! وہ کیسا اور کتنا قرآن پڑھ لیتی ہے؟! ہماری اگلی نسل کو قرآن سکھا سکے گی یا نہیں؟! خانگی امور میں اس کی مہارت کا امتحان ضرور ہوتا ہے؛ لیکن کبھی اس کی تلاوت نہیں دیکھی جاتی، اس کا قرآن نہیں سنا جاتا کہ حروف کی ادائیگی کیسی ہے (کہ درستگی کی شکل میں استفادہ، ورنہ اصلاح وتصحیح کی فکر ہو) بہو، بیٹوں کی نافرمانی کی شکایت کرنے والے ذرا غور کریں کہ انھوں نے قرآن کے حوالہ سے کتنی اور کیسی ذمہ داری نبھائی ہے؟

تصحیحِ تلاوت کی شکلیں

①- موجودہ دور میں تصحیحِ تلاوتِ قرآن کی سب سے مؤثر شکل یہ ہے کہ کسی اچھے عالم سے جو قرآن کو صحتِ مخارج اور ادائیگی حروف کے ساتھ پڑھے، یا کسی اچھے حافظ سے جو قرآن درست پڑھتا ہو حروف

کی تصحیح کی جائے۔

②- قرآن کی صحیح تلاوت اور حروف کی صحیح ادائیگی انتہائی آسان ہے، اگر اُردو زبان پر گرفت ہو تو علماء اور قراء کرام نے سہل، اور عوامی انداز میں تجوید اور مخارج کی کتابیں لکھی ہیں جن سے بہت آسانی سے استفادہ کر کے حروف کی تصحیح ممکن ہے۔

③- مختلف علاقوں میں تصحیحِ قرآن کے حلقے اور مجلسیں قائم ہیں، ان سے مربوط ہو کر اس اہم ذمہ داری سے سبک دوشی ہوسکتی ہے۔

④- وسائل کی فراوانی اور ایجادات کے اس دور میں کسی چیز کا سیکھنا مشکل نہیں رہا، بہت آسانی سے لوگ اپنی ضرورت کا علم حاصل کر لیتے ہیں، حتیٰ کہ اپنی اغراض کے تحت مختلف زبانوں اور ان کی بولیوں کے بھی ماہر بن جاتے ہیں، تو کسی عالم کی رہبری میں ان چیزوں سے فائدہ کیوں نہیں اُٹھایا جاسکتا ہے؟

⑤- سب سے آسان اور مؤثر شکل یہ ہے کہ ''نورانی قاعدہ'' کی مشقوں کے ذریعے حروف کی ادائیگی درست کی جائے۔

⑥- مختلف اماموں کی قراءت اور ان کی آواز میں مکمل قرآن موبائل فون اور نیٹ پر موجود ہے، روزانہ تھوڑا سا وقت فارغ کر کے اس کو سنا جائے اور اس جیسا پڑھنے کی کوشش کی جائے تو ان شاء اللہ ایک اچھی اور مفید پہل ثابت ہوگی۔

⑦- پھر یہ کہ حروفِ تہجی کل انتیس ہیں جن میں سے بعض بہت آسان ہیں، جیسے: د، م، ن وغیرہ۔ ان کی درست ادائیگی انتہائی سہل ہے؛ لیکن عربی سے ناواقف یا دوسری زبان (مثلاً: ہندی، انگلش) جاننے والوں کے لیے سب سے زیادہ دقت متشابہ الفاظ اور قریب المخارج کلمات میں پیش آتی ہے اور اس وقت اُن کے لیے اس کی ادائیگی مشکل اور ان میں امتیاز پریشان کن ثابت ہوجاتا ہے، جیسے: ج، ذ، ز، ض، ظ، ان سب کا مخرج اور پڑھنے کا طریقہ جدا جدا ہے۔ اسی طرح: س، ش، ص وغیرہ؛ البتہ دو چار مرتبہ کی مشق اور توجہ سے ان حروف کی صحیح پہچان کر لیں، ان کی ادائیگی کا درست طریقہ معلوم کر لیں، پھر اسی کے مطابق قرآن کی تلاوت کے وقت ان کی رعایت ہو تو ان شاء اللہ بہت آسانی کے ساتھ اور بہت جلد یہ مسئلہ حل ہوجائے، اور اُمت کی ایک بڑی تعداد اپنے رب کا کلام درست پڑھنے لگے، اور یہ عمل رحمتِ باری کے نزول کا سبب ہو؛ جس کے لیے شوقِ معتبر چاہیے اور بس!

(بشکریہ ماہنامہ دار العلوم دیوبند)

..... ۞ ..... ۞ ..... ۞ .....

اکابر کا مقامِ زہد وقناعت

مولانا محمد راشد شفیع
فاضل جامعہ

زہد کی تعریف یہ ہے کہ دنیا کی لذتوں سے اِعراض کرنا اور آخرت کی لازوال نعمتوں کی طرف متوجہ ہونا۔ زہد کا پہلا درجہ یہ ہے کہ مسلمان کا مقصد برزخ اور آخرت کی ہولناکیوں سے محفوظ ہونا ہو، دوسرا درجہ یہ ہے کہ مسلمان آخرت کی تمام نعمتوں مثلاً جنت، تقرب خداوندی کے حصول کی کوشش کرے، تیسرا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ مسلمان صرف اللہ کے عذاب کے خوف کی وجہ سے اور اللہ سے محبت کے حصول کے لیے زاہدانہ طرزِ زندگی اختیار کرے۔ (إحياء علوم الدين للإمام الغزاليؒ)

زہد یہ نہیں کہ انسان کے پاس بالکل دنیا نہ ہو، بلکہ اصل زہد یہ ہے کہ بندہ کے پاس دنیا کے حصول کے راستے ہوں اور دنیا بھی موجود ہو، مگر وہ اس ڈر سے دنیا کے عیش وآرام سے دور رہے کہ کہیں اس دنیا میں مشغول ہوکر آخرت سے بے رغبت ہو جاؤں گا، یہی اصل زہد ہے۔

اس مادہ پرستی کے دور میں جہاں امت میں دیگر غفلت ڈالنے والی چیزیں آ گئی ہیں، وہیں زاہدانہ زندگی سے فرار بھی نظر آ رہا ہے، جس کی واحد وجہ دنیا پرستی اور عیش پرستی ہے۔

چنانچہ محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری نور اللہ مرقدہٗ رقم طراز ہیں:

’’آج کل دنیا طرح طرح کے فتنوں کی آماجگاہ بنی ہوئی ہے، ان سب فتنوں میں ایک بنیادی اور بڑا فتنہ ’’پیٹ‘‘ کا ہے۔ شکم پروری وتن آسانی زندگی کا اہم ترین مقصد بن کر رہ گیا ہے، ہر شخص کا شوق یہ ہے کہ لقمۂ تر اس کی لذتِ کام ودہن کا ذریعہ بنے اور یہ فتنہ اتنا عالمگیر ہے کہ بہت کم افراد اس سے بچ سکے ہیں، تاجر ہو یا ملازم، اسکول کا ٹیچر ہو یا کالج کا پروفیسر، دینی درس گاہ کا مدرس ہو یا مسجد کا امام، اس آفت میں سبھی مبتلا نظر آتے ہیں، ہاں فرقِ مراتب ضرور ہے۔ زہد وقناعت، ورع وتقویٰ اور اخلاص وایثار جیسے اخلاق وفضائل اور ملکات کا نام ونشان نہیں ملتا، اسی کا نتیجہ ہے کہ آج

کا پورا عالم ساز وسامان کی فراوانی کے باوجود حرص وآز، طمع ولالچ اور زرطلبی وشکم پروری کی بھٹی میں جل رہا ہے اور کرب واضطراب، بے چینی وبے اطمینانی اور حیرت وپریشانی کا دھواں ہر چہار سمت پھیلا ہوا ہے۔ دراصل اس فتنۂ جہاں سوز کا بنیادی سبب یہی ہے جس کی نشاندہی رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی، آخرت کا یقین بے حد کمزور اور آخرت کی نعمتوں اور راحتوں کا تصور قریباً ختم ہو چکا ہے، مادی نعمتیں اور ان کا تصور اس قدر غالب ہے کہ روحانی قدریں مضمحل ہو چکی ہیں۔ یہی وجہ ہے آج انسانوں کی چھوٹائی بڑائی، عزت وذلت اور بلندی وپستی کی پیمائش ''اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ '' کے پیمانے سے نہیں ہوتی، بلکہ ''پیٹ اور جیب'' کے پیمانے سے ہوتی ہے۔ مادیت کے اس سیلاب میں پہلے ایمان ویقین رخصت ہوا، پھر انسانی اخلاق ملیا میٹ ہوئے، پھر اُسوۂ نبوت سے وابستگی کمزور ہو کر اعمالِ صالحہ کی فضا ختم ہوئی، پھر معاشرت ومعاملات کی گاڑی لائن سے اُتری، پھر سیاست وتمدن تباہ ہوا اور اَب مادیت کا یہ طوفان انسانیت کو بہیمیت کے گڑھے میں دھکیل رہا ہے۔ افراتفری اور بے اصولی، آوارگی وبے راہ روی اور بے رحمی وشقاوت کا وہ دور دورہ ہے کہ الأمان والحفیظ. الغرض اس ''پیٹ'' کے فتنے نے ساری دنیا کی کایا پلٹ کر ڈالی۔'' (ماہنامہ بینات، صفر المظفر ۱۴۳۶ھ، دسمبر ۲۰۱۴ء)

دینی تعلیمات میں یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ زاہدانہ طرزِ زندگی کو ترک کرنے کے بہت سے نقصانات ہیں، جس میں سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ دنیا پرستی کی وجہ سے مسلمان کے دل سے آخرت کا خوف اور آخرت میں جواب دہی کا احساس ختم ہو کر رہ جاتا ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجود سب کچھ ہونے کے ہمیں اپنے قول وعمل سے زہد کی تعلیم دی ہے، چنانچہ ''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے تھے کہ:

''اے اللہ! مجھے مسکینی کی حالت میں زندہ رکھ اور مسکینی کی حالت میں دنیا سے اُٹھا اور مسکینوں کے گروہ میں میرا حشر فرما۔'' (جامع الترمذی)

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے عروہؒ سے فرمایا: میرے بھانجے! ہم (اہل بیتؓ اس طرح گزارا کرتے تھے کہ) کبھی کبھی لگاتار تین تین چاند دیکھ لیتے تھے (یعنی کامل دو مہینے گزر جاتے تھے) اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں میں چولہا نہ جلتا تھا (عروہؒ کہتے ہیں) میں نے عرض کیا: پھر آپ کو کونسی چیز زندہ رکھتی تھی؟ حضرت عائشہؓ نے جواب دیا: بس کھجور کے دانے اور پانی، البتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض انصاری پڑوسی تھے، ان کے ہاں دودھ دینے والے جانور

تھے، وہ آپ ﷺ کے لیے دودھ بطور ہدیہ بھیج دیا کرتے تھے، اس میں سے آپ ﷺ ہمیں بھی دیتے تھے۔'' (متفق علیہ)

ہمارے اکابر اور سلف صالحین باوجود صاحبِ ثروت کے صرف اللہ کی محبت کے حصول کی خاطر اور آخرت میں جواب دہی کے احساس کی وجہ سے دنیا طلبی سے دور تھے، اور زاہدانہ زندگی گزارنے کو ترجیح دیا کرتے تھے، ذیل میں چند واقعات ہدیۂ قارئین ہیں:

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کا زہد وقناعت

شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ: ''میں نے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے خود سنا کہ موصوف کو ایک ہفتے تک زمزم کے پانی سے گزارا کرنا پڑا، اسی اثناء میں ایک مخلص دوست سے جو کہ بہت زیادہ اخلاص کا مدعی تھا، چند پیسے قرض مانگے تو اس نے ناداری کا بہانہ کر کے انکار کر دیا، حالانکہ واقع میں نادار نہ تھا، حضرتؒ نے فرمایا کہ میں اس انکار سے یہ سمجھا کہ منشاء اُلوہیت یہی ہے، اس لیے میں صبر کر کے چپ ہو گیا۔'' (اکابر علماء دیوبند اتباعِ شریعت کی روشنی میں، ص:٦٠)

مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا زہد

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو ایک مرتبہ کسی دنیادار نے آپ کے شدید اِعراض وانکار پر بھی روپوں سے بھری تھیلی آپ کی جوتیوں میں انڈیل دی، تو شاگرد سے فرمایا: ''عزیز! جوتے جھاڑو، دیکھو! دنیادار بھی دنیا کماتے ہیں اور ہم بھی دنیا کماتے ہیں، مگر دونوں میں فرق یہ ہے کہ دنیادار دنیا کے پاؤں پڑتا ہے، مگر دنیا اسے ٹھوکریں مار مار کر ذلیل کرتی ہے، تب کچھ حصہ دے دیتی ہے، مگر ادھر یہ حال ہے کہ دنیا پاؤں پڑ رہی ہے اور ہم اسے ٹھوکریں مار مار کر ٹھکرا رہے ہیں۔'' (اربابِ علم وکمال، ص:٩٨)

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا زہد وقناعت

ایامِ طالب علمی میں آپ نے اپنی خورد ونوش کا دہلی میں کسی پر بار نہ ڈالا، تین روپے ماہوار آپ کے ماموں بھیجا کرتے تھے، اس میں روکھی سوکھی روٹی اور دال ترکاری وقت پر جو کچھ آسانی سے مل گیا، آپ نے کھائی، اور اسی تین روپے میں کپڑے دھلائی، اصلاحِ خط یا جو کچھ بھی ضرورت پیش آئی رفع کی، دہلی میں آپ کو کیمیاگر اور مہندس بھی ملے، اور انہوں نے آپ کی روش اور انداز کو دیکھ کر بہ نیتِ محبت کیمیا کا بنانا سکھانا چاہا، مگر آپ کی زاہدانہ اور قناعت پسندانہ طبیعت نے خوفِ طمع یا حرص کرنی تو در کنار، اس سے سیکھنا بھی گوارا نہ فرمایا۔ (تذکرۃ الرشید، ج:١، ص:٣٦)

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا زہد وقناعت

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک رئیس نے میرے پاس ۲۰۰ روپے مدرسہ کے لیے بھیجے، اور لکھا کہ میرا ارادہ ہے، آپ کو یہاں بلانے کی تحریک کروں، اگر یہ جملہ نہ ہوتا تو میں لے لیتا، میں نے لکھ دیا کہ روپوں کے ساتھ بلانے کی درخواست کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ روپے بھیجنے سے آپ کا مقصود یہ ہے کہ میں ان سے متأثر ہوکر آپ کی درخواست کو منظور کرلوں، اس لیے میں نے وہ روپے نہیں لیے، ڈاکخانہ میں جمع کردیے ہیں، اگر آپ کے جواب سے یہ شبہ رفع ہوگیا تو لے لوں گا، ورنہ واپس کردوں گا، آخری دن ان کا خط آیا کہ مجھ سے بدتمیزی ہوئی، آپ سے یہ درخواست نہیں کرتا۔ میرا یوں جی چاہتا ہے کہ کسی کا احسان رکھ نہ لیا جائے۔ (تحفۃ العلماء)

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی زاہدانہ زندگی

حضرت شیخ الاسلامؒ مہینے کے آخر میں مقروض رہتے تھے، ایک واقعہ حضرت مولانا ارشد مدنی مدظلہم نے سنایا کہ: ’’مہینے کے آخر میں حضرت مقروض ہوجاتے تھے اور قرضہ لینے کی نوبت آتی تھی، اور قرض صرف دو آدمیوں سے لیتے تھے: ایک حضرت مولانا اعزاز علی رحمۃ اللہ علیہ شیخ الادب سے، دوسرے کتب خانہ اعزازیہ کے مالک مولانا سید احمد صاحب تھے، میری والدہ مہینے کے آخر میں حضرت سے کہتی تھی کہ پیسے نہیں ہیں، پیسے چاہیے، تو حضرتؒ قرض لینے کا اہتمام کرتے تھے۔‘‘ (اکابر کی زاہدانہ زندگی، ص:۳۸)

محدث العصر حضرت علامہ سید یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ:

’’ہمیں دو باتوں پر کامل یقین ہے اور اسی پر ہمارا ایمان ہے: ایک تو یہ کہ مال ودولت کے تمام خزانے اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں اور دوسرا یہ کہ اولادِ آدم کے قلوب بھی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ اگر ہم اخلاص کے ساتھ صحیح کام کریں گے تو اللہ تعالیٰ بندوں کے قلوب خود بخود ہماری طرف متوجہ کرکے اپنے خزانوں سے ہماری مدد کرے گا۔ ہمیں کسی انسان کی خوشامد کی ضرورت نہیں ہے، لہٰذا جو ضرورت ہمیں پیش آتی ہے، ہم اللہ تعالیٰ سے کہتے اور مانگتے ہیں، وہ ایسی جگہ سے ہماری ضرورت کو پورا کرتا ہے جہاں ہمارا گمان بھی نہیں ہوتا، پھر ہم کیوں کسی انسان کے سامنے ہاتھ پھیلائیں؟۔‘‘ (ملفوظات حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ، جمع وترتیب: مولانا نور الرحمٰن مدظلہ)

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اکابر کا طرزِ زندگی اپنانے کی توفیق عطا فرمائے، آمین

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

دین اسلام میں خاندانی نظام
اور رشتہ دارانہ تعلقات کی اہمیت و برکات

مولانا محمد عرفان اللہ اختر
خان پور

اسلام ایک کامل اور جامع دین ہے جو انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ہر پہلو کی رہنمائی کرتا ہے۔ اسلام نے جہاں عبادات اور عقائد پر زور دیا ہے، وہیں معاشرتی نظام کو بھی بڑی اہمیت دی ہے، خصوصاً خاندانی نظام کو انسانیت کی فلاح کی بنیاد قرار دیا ہے۔ خاندان ایک ایسی بنیادی اکائی ہے، جس پر معاشرہ قائم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو تنہا زندگی گزارنے کے لیے پیدا نہیں کیا، بلکہ اسے ایک خاندانی، معاشرتی اور باہمی تعلقات سے بھرپور نظام عطا فرمایا ہے۔ انسانی زندگی کا آغاز بھی ماں باپ سے ہوتا ہے اور اس کا دائرہ بہن بھائیوں، چچا، ماموں، خالہ، پھوپھی، دادا، دادی، نانا، نانی اور دیگر رشتہ داروں تک پھیلتا ہے۔ یہ تعلقات انسانی زندگی کے لیے ایک ایسی سایہ دار شاخ ہیں جو ہر موسم میں اس کا سہارا بنتی ہے۔

جب انسان اپنے اصلی رشتوں کو بھول کر سوشل میڈیا اور دنیاوی رنگینی کے عارضی تعلقات میں اُلجھ جائے، تو وہ محبت، ہمدردی، سچی دعاؤں اور حقیقی خیر خواہی سے محروم ہو جاتا ہے، اس لیے دین اسلام نے بار بار رشتہ داروں سے جڑے رہنے، ان کے حقوق ادا کرنے اور صلہ رحمی کو فرض کے درجے تک پہنچا دیا ہے۔

قرآنِ کریم کی سورۃ النساء میں خاندانی رشتوں کی اہمیت کو اُجاگر کرتے ہوئے تعلق بالارحام کو بنیادِ ایمان قرار دیا ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ سے تقویٰ کے ساتھ رشتہ داروں سے ڈرنے کا بھی حکم دیا گیا، یعنی رشتہ داروں سے تعلق توڑنا صرف سماجی جرم نہیں، شرعی جرم بھی ہے۔

دوسری جگہ قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ احسان وعدل میں رشتہ داروں کو ترجیح دو، یعنی:

’’اللہ تعالیٰ عدل، احسان اور قرابت داروں کو (اُن کا حق) دینے کا حکم دیتا ہے۔‘‘ (سورۃ النحل: ۹۰)

یہ وہ مشہور آیت ہے جو جمعہ کے خطبے میں اکثر پڑھی جاتی ہے، اور اس میں عدل واحسان کے بعد

ذوی القربیٰ (قریبی رشتہ داروں) کے ساتھ حسن سلوک کا خصوصی ذکر ہے۔

ایک اور جگہ رشتہ داروں سے قطع تعلق کرنے کی مذمت بیان کی گئی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''جو لوگ اللہ کے ساتھ کیے گئے عہد کو توڑتے ہیں، اور ان رشتوں کو کاٹتے ہیں جن کے جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے، وہ زمین میں فساد پھیلاتے ہیں۔ یہی لوگ اللہ کی لعنت کے مستحق ہیں۔'' (سورۃ الرعد: ۲۵)

نبی کریم ﷺ کی تعلیماتِ مبارکہ ہیں کہ صلہ رحمی رزق میں برکت اور عمر میں اضافہ کا ذریعہ ہے:

''جو شخص چاہتا ہو کہ اس کا رزق بڑھایا جائے اور عمر میں برکت ہو، وہ صلہ رحمی کرے۔'' (بخاری شریف)

''رشتہ داروں سے تعلق توڑنے والا جنت میں داخل نہ ہوگا۔'' (صحیح مسلم)

''رشتہ دار پر خرچ کرنا دوہرا اجر رکھتا ہے، ایک صدقہ اور دوسرا صلہ رحمی۔'' (ترمذی شریف)

دینِ اسلام نے خاندانی نظام کو مضبوط بنانے کے لیے بہت سی تعلیمات دی ہیں، جن کی بنیاد محبت، ہمدردی، انصاف، صبر، اور حقوق و فرائض کی ادائیگی پر رکھی گئی ہے۔

اسلام میں نکاح کو عبادت اور سنت قرار دیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''اور اپنے میں سے ان لوگوں کا نکاح کرو جو بے نکاح ہوں اور اپنے نیک غلاموں اور لونڈیوں کا بھی۔'' (سورۃ النور: ۳۲)

نکاح صرف جسمانی ضرورت نہیں، بلکہ ایک مقدس عہد ہے جو خاندان کی بنیاد ڈالتا ہے۔

اسلام نے والدین کی خدمت اور اطاعت کو فرض قرار دیا، قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''اور تمہارے رب نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو۔'' (بنی اسرائیل: ۲۳)

اسی طرح دین اسلام نے والدین کو اولاد کی صحیح تعلیم و تربیت کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے۔ رب تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

''اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو آگ سے بچاؤ۔'' (التحریم: ۶)

آج کے دور میں سوشل میڈیا پر ہزاروں فرینڈز، فالوورز، لائکس، ری ایکشنز اور تبصروں کی بھرمار ہے، مگر یہ تعلقات عارضی، سطحی اور غیر مخلص ہوتے ہیں۔ دکھ سکھ میں نہ کوئی کام آتا ہے، نہ دل سے دعائیں دیتا ہے۔ یہ وقت اور توجہ کی چوری کرتے ہیں، خاندانی وقت کو برباد کرتے ہیں۔ کئی طلاقیں، خاندانی جھگڑے، نافرمانیاں اور رنجشیں صرف سوشل میڈیا کے حد سے زیادہ استعمال کا نتیجہ ہیں، جبکہ حقیقی

خاندان دعاؤں کا خزانہ ہے، غمگسار اور مددگار رہوتا ہے۔ اولاد کی تربیت، بڑوں کا سایہ، اور چھوٹوں کی رونق ہے۔ صبر، برداشت، رواداری اور قربانی سکھاتا ہے۔

خاندانی تعلقات کی عظمت و برکات بے شمار ہیں کہ خاندان انسان کے لیے محبت، سکون اور رحمت کا گہوارہ ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں نکاح (جیسا کہ اوپر بھی عرض کیا گیا ہے) کا مقصد بیان کرتے ہوئے فرمایا: ''اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت رکھ دی۔'' (الروم:۲۱)

خاندانی نظام نسلِ انسانی کی بقا اور اس کی اخلاقی، دینی اور معاشرتی تربیت کا ذریعہ ہے۔ یہی نظام بچوں کو معاشرتی اقدار سکھاتا ہے، جب خاندان مضبوط ہو تو پورا معاشرہ مضبوط ہوتا ہے۔ ہر فرد کو اپنے حقوق و فرائض کا علم ہوتا ہے اور معاشرہ عدل و امن کا گہوارہ بن جاتا ہے۔ اسلامی خاندانی نظام میں بزرگ، بیمار، اور محتاج افراد کو اکیلا نہیں چھوڑا جاتا، بلکہ خاندان کا ہر فرد دوسرے کی مدد کرتا ہے، جس سے غربت اور فاقہ کشی میں کمی آتی ہے۔ بزرگوں کو معاشرے کا سرمایہ سمجھا جاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہیں کرتا اور بڑوں کا حق نہیں پہچانتا، وہ ہم میں سے نہیں۔'' (ترمذی شریف)

دین اسلام سے ہمیں بھرپور عملی ہدایات ملتی ہیں کہ ہم روزانہ کچھ وقت خاندانی ملاقات، گفتگو یا حال احوال کے لیے مختص کریں، سوشل میڈیا کو محدود کریں، اصل زندگی میں لوگوں سے رابطہ رکھیں، ماں باپ کی خدمت، بہن بھائیوں کے ساتھ حسنِ سلوک، اور قریبی رشتہ داروں کو تحفے دینا معمول بنائیں، گھریلو دعوتیں، عیادت، اور خوشی و غم میں شرکت خاندانی رشتوں کو مضبوط کرتی ہے اور اختلافات کو اَنا کی بجائے دین کی روشنی میں سلجھائیں۔

اللہ تعالیٰ نے خاندان کو ہمارے لیے پناہ گاہ، مددگار اور محبت کا سرچشمہ بنایا ہے۔ دین اسلام نے خاندان اور رشتے داروں کے حقوق کو فرض قرار دیا ہے اور ان سے غفلت کو ہلاکت کا باعث بتایا ہے۔

سوشل میڈیا اور دنیا کی مصنوعی چمک میں کھو کر حقیقی رشتوں کو نہ بھلائیں، بلکہ انہیں وقت، توجہ اور دل سے جُڑے رکھیں، کیونکہ یہی تعلقات دنیا میں عزت اور آخرت میں نجات کا ذریعہ بنیں گے۔

اے اللہ! ہمارے دلوں میں صلہ رحمی، خاندانی محبت اور عاجزی پیدا فرما، ہمیں والدین، بہن بھائی، رشتہ داروں کے ساتھ سچائی، وفا اور خیر خواہی عطا فرما۔ ہمیں دکھاوے اور وقتی تعلقات سے بچا، اور ہمیں ہمیشہ حق، تعلق اور دین کے راستے پر قائم رکھ، آمین!

..... ❀ ..... ❀ ..... ❀ .....

مولانا قاری تنویر احمد شریفی
کراچی

آہ! خانوادۂ مؤرخِ ملت کا فردِ جلیل
حضرت مولانا سید محمود میاں رحمۃ اللہ علیہ

۷ر محرم الحرام ۱۴۴۷ھ/ ۲ر جولائی ۲۰۲۵ء بروز بدھ رات سوا گیارہ بجے بدھ اور جمعرات کی درمیانی شب جامعہ مدنیہ جدید رائیونڈ کے مہتمم، خانقاہ حامدیہ رائیونڈ کے مسند نشین، جمعیت علماء اسلام پنجاب کے امیر محترم، سینکڑوں علماء و مشائخ کے استاذ محترم حضرت مولانا سید محمود میاں صاحب تقریباً پانچ ماہ کی طویل اور صبر آزما علالت کو برداشت کرکے اجرِ عظیم سمیٹتے ہوئے باری تعالیٰ کے حضور پہنچ گئے، إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ، وَرَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰى رَحْمَةً وَّاسِعَةً.

حضرت مولانا، مؤرخِ ملت حضرت العلام مولانا سید محمد میاں صاحب نور اللہ مرقدہٗ (صاحبِ ''علماءِ ہند کا شاندار ماضی'') کے پوتے اور استاذ محترم شیخ الحدیث حضرت مولانا سید حامد میاں صاحب قدس سرہٗ کے لائق و فائق منجھلے صاحبزادے تھے، کون مولانا سید حامد میاںؒ؟! ان کا مقام ان کے شیخ و استاذِ گرامی شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے قلم سے پڑھ کر اندازہ لگایئے، فرماتے ہیں: ''... مگر میرا آپ [۱] پر سخت اعتراض ہے کہ آپ سال گزشتہ کے ایام کو موصوف [۲] کے لیے اضاعت (بیکار) کے ایام شمار فرماتے ہیں۔ محترما! موصوف نے اس مدت میں سلوک میں نہایت بیش بہا ترقی کی ہے جو کہ لوگوں کو سال ہا سال میں حاصل نہیں ہوتی، اگر وہ اسی رفتار پر رہا تو قریب ہے کہ اس کو اس معیار پر مجاز ہونے کا فخر حاصل ہوجائے، جو کہ حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز کا تھا [۳] شکر کیجیے کفرانِ نعمت سے باز آئیے، وہ اپنے باپ دادا سے بہت بڑھ گیا ہے۔'' [۴]

(۱) حضرت شیخ الاسلامؒ یہ مکتوب حضرت مؤرخِ ملت مولانا سید محمد میاں رحمۃ اللہ علیہ کو تحریر فرما رہے ہیں۔
(۲) یعنی حضرت جی مولانا سید حامد میاں رحمۃ اللہ علیہ
(۳) یعنی حضرت امام ربانی مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ
(۴) مقالاتِ حامدیہ (قرآنیات)، ص: ۲۹

حضرت مولاناؒ اس بڑے باپ کے بیٹے تھے جن کے متعلق حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے یہ تحریر فرمایا تھا۔ حضرت مولاناؒ کو میں نے اپنے بچپن ہی سے دیکھا ہے، حضرت جی (۱) کی خدمت اقدس میں میرے جد امجد حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحب نور اللہ مرقدہ گاہ بگاہ کراچی سے لاہور تشریف لے جاتے تھے تو مجھے ساتھ لے جاتے، آج ان بزرگوں سے واقفیت میرے جد امجدؒ کی مرہونِ منت ہے، اس وقت حضرت مولاناؒ تعلیم حاصل کر رہے تھے اور پھر فاضل ہو کر اپنے ہی مدرسے جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور میں مدرس بھی ہو گئے تھے۔ یہاں حضرت مولاناؒ کے حالات پر مختصر نظر ڈالتے ہیں:

حضرت مولاناؒ کی پیدائش ۲۶ ذوالقعدہ ۱۳۷۵ھ/ ۵ جولائی ۱۹۵۶ء بروز جمعرات لاہور میں ہوئی۔ حفظ قرآن کریم جامعہ مدنیہ ہی میں شعبہ حفظ کے استاذ قاری عبدالرشید صاحبؒ سے کیا، حضرت جیؒ کی زندگی میں اور بعد میں بھی جامعہ کی مدینہ مسجد میں ایک سال تراویح میں حضرت مولانا سید رشید میاں صاحب مدظلہم (موجودہ مہتمم جامعہ مدنیہ کریم پارک) اور ایک سال حضرت مولاناؒ سناتے تھے۔ درسِ نظامی کی تعلیم جامعہ مدنیہ ہی میں از اوّل تا آخر (دورہ حدیث شریف تک) مکمل کی، اس تعلیم کا آغاز شوال المکرم ۱۳۹۰ھ/ دسمبر ۱۹۷۰ء میں پندرہ سال کی عمر میں ہوا۔ اس طرح شعبان المعظم ۱۴۰۱ھ/ جولائی ۱۹۸۱ء میں دورہ حدیث پڑھ کر جامعہ مدنیہ (کریم پارک) ہی سے فارغ التحصیل ہوئے، اس وقت حضرت مولاناؒ کی عمر چھبیس سال تھی۔ شوال المکرم ۱۴۰۱ھ/ ستمبر ۱۹۸۱ء سے جامعہ مدنیہ کریم پارک ہی میں تدریسی زندگی شروع ہوئی اور اپنے عظیم والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ کے زیر نگرانی پڑھانا شروع کیا۔ تزکیۂ نفس کے لیے حضرت جی مولانا سید حامد میاں صاحبؒ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی اور سلوک کی منازل طے کرنی شروع کیں۔

حضرت جیؒ کی وفات ۱۳ رجب المرجب ۱۴۰۸ھ/ ۳ مارچ ۱۹۸۸ء کے بعد حضرت جیؒ کے خلفائے کرام حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحب، حضرت حاجی محمود احمد عارف ہوشیار پوری اور حضرت مولانا غلام محمد صاحب سربازی (ایران) رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت جیؒ کی طرف سے حضرت مولانا سید رشید میاں صاحب مدظلہم اور حضرت مولانا سید محمود میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو خلافت عطا فرمائی۔ حضرت قاری صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں: ’’حضرت مولانا سید حامد میاں صاحب نور اللہ مرقدہٗ سے جس طرح ہم لوگوں (خلفاء) نے اکتسابِ فیض کیا، اس کے بعد حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے خلافت سے نواز کر چاروں سلسلوں میں بیعت کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی، اسی طرح ہم خلفاء بھی مولانا مرحوم کے صاحبزادوں مولوی سید رشید میاں اور مولوی سید محمود میاں سلمہما کو بیعت کی اجازت دیتے ہیں۔ ہم خدام ہر دو بھائیوں کے حق میں دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو اتباعِ سنت اور اپنے والد بزرگوار کے نقشِ قدم پر چلتے رہنے کی توفیق دے اور دین کی

(۱) حضرت قاری شریف احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں خانقاہی زبان میں حضرت مولانا سید حامد میاں رحمۃ اللہ علیہ کو ’’حضرت جی‘‘ کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

خدمت پوری مستعدی سے کرتے رہیں، آمین!''(۱)

حضرت مولاناؒ نے اپنے والد گرامی کے اس سلسلے کو بڑی خوش اُسلوبی سے آگے بڑھایا اور سینکڑوں مریدین ان کے حلقے میں شامل ہوئے! باقاعدہ خانقاہ حامدیہ کی بنیاد جامعہ مدنیہ جدید میں رکھی، ہر اتوار کو مجلسِ ذکر کا حلقہ بھی ہوتا تھا، جیسا کہ حضرت جیؒ کے زمانے میں کریم پارک میں ہوتا تھا، اللہ کا شکر ہے کہ یہ فیض جاری ہے۔حضرت مولاناؒ نے دو نکاح کیے، پہلا نکاح ۱۹؍جون ۱۹۸۷ء بروز جمعہ حضرت اقدس مولانا عزیر گل صاحب کا کاخیل (اسیر مالٹا) علیہ الرحمہ کے خاندان میں مولانا عبداللہ کاکاخیل (سابق استاذ جامعہ بنوری ٹاؤن) کی صاحبزادی سے ہوا، رخصتی اور ولیمہ کی تقریب فروری ۱۹۸۸ء میں منعقد ہوئی، اس موقع پر حضرت جیؒ (مولانا سید حامد میاںؒ) کی دعوت پر پاک وہند کے جید علماء ولیمے میں تشریف لائے تھے، حضرت مولاناؒ کے ولیمے کے بارہ دن بعد حضرت جی (مولانا سید حامد میاں رحمۃ اللہ علیہ) کی وفات ہوگئی تھی! دوسرا نکاح ۲۶؍جون ۱۹۹۶ء میں ہوا، لیکن اولاد دونوں سے نہیں ہوئی۔حضرت جیؒ کی وفات کے اگلے روز ۱۴؍رجب المرجب ۱۴۰۸ھ/ ۴؍مارچ ۱۹۸۸ء کو جامعہ مدنیہ کی مجلسِ شوریٰ کا اجلاس ہوا، جس میں بانی وامیرِ جامعہ حضرت مولانا سید حامد میاں صاحب قدس اللہ سرہٗ العزیز کی وفات کے بعد جامعہ کے نظم ونسق کے متعلق غور وخوض ہوا اور طے پایا کہ جامعہ مدنیہ لاہور کے سرپرست شیخ طریقت حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحبؒ (سجادہ نشین خانقاہ سراجیہ کندیاں) امیر مولانا سید رشید میاں صاحب اور نائب امیر مولانا سید محمود میاں صاحبؒ ہوں گے۔جامعہ مدنیہ حضرت جیؒ کی وفات کے بعد تعلیمی میدان میں بحمد اللہ ترقی کرتا رہا، حضرت جیؒ کی دیرینہ خواہش تھی کہ جامعہ مدنیہ کی بڑے پیمانے پر توسیع ہو اور اس کے ساتھ خانقاہ بھی ہو، اس لیے کہ مدارس میں تعلیم کے ساتھ تزکیۂ نفس بہت ضروری ہے، اس خواہش کی تکمیل کے لیے ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء میں ۱۹؍کلومیٹر رائیونڈ روڈ پر پچیس ایکڑ جگہ خریدی گئی اور جامعہ کا آغاز حفظِ قرآن مجید کی کلاسوں سے ہوا، اس جگہ کا نام ''محمد آباد'' رکھا گیا۔

۱۲؍شعبان المعظم ۱۴۲۰ھ/ ۲۲؍نومبر ۱۹۹۹ء کو مجلس شوریٰ کے اجلاس میں فیصلہ کیا گیا کہ جامعہ مدنیہ کو انتظامی وتعلیمی طور پر دو حصوں میں منقسم کردیا جائے، اس لیے ''قدیم جامعہ'' کریم پارک میں ہے اور ''جدید جامعہ'' رائیونڈ روڈ پر۔فیصلہ ہوا کہ قدیم جامعہ کریم پارک حضرت جیؒ کے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا سید رشید میاں صاحب مدظلہم کے اہتمام میں، جبکہ جامعہ مدنیہ جدید رائیونڈ روڈ پر حضرت جیؒ کے منجھلے صاحبزادے حضرت مولانا سید محمود میاں صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) کے اہتمام میں ہوگا، اس طرح حضرت مولاناؒ جامعہ مدنیہ جدید کے مہتمم تاوقتِ وفات رہے جو ساڑھے چھبیس سال کا عرصہ ہوتا ہے، تَقَبَّلَ اللّٰہُ مِنْہُ! اللہ تعالیٰ حضرت مولاناؒ کی خدماتِ حدیث اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے علوم کی حفاظت میں جوتن من دھن

(۱) تذکرۃ الشریف،ص:۱۷۲

سے مصروف رہے، اسے اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے، جامعہ کی حفاظت فرمائے۔

ماہنامہ انوارِ مدینہ لاہور جو حضرت جیؒ نے ۱۹۷۰ء میں جاری فرمایا تھا، تقریباً پانچ سال تک آب وتاب کے ساتھ شائع ہوتا رہا، پھر حالات کی نذر ہو گیا، حضرت مولاناؒ نے بعض بزرگوں کے اصرار پر اس سلسلے کو ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ/ اکتوبر ۱۹۹۲ء سے پھر شروع فرمایا، بحمداللہ تعالیٰ یہ سلسلۂ ثانی تاوقتِ تحریر جاری ہے اور اللہ کرے آگے بھی یہ دین کی اشاعت کا ذریعہ بنتا رہے۔ اس نقش ثانی کے دوسرے شمارے جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ/ نومبر ۱۹۹۲ء سے حضرت مولاناؒ نے اداریہ تحریر فرمانا شروع کیا، پہلے اداریے کا عنوان تھا ''الٰہی! تیرے نام سے ابتدا کر رہا ہوں۔'' یہ صحافتی سلسلہ حضرت مولاناؒ کو اپنے والد گرامی حضرت جیؒ کے واسطے سے ملا اور حضرت مولاناؒ کے دادا حضور مؤرخِ ملت حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت جیؒ کو ملا تھا، اس لیے کہ حضرت مؤرخِ ملتؒ نے بھی ''ماہنامہ قائد'' مرادآباد سے جاری فرمایا تھا، یہ ۱۹۴۴ء کی بات ہے، پھر ''الجمعیۃ دہلی'' کے ادارتی شعبے سے بھی وابستہ رہے، حضرت مولاناؒ نے اپنے عظیم المرتبت والد گرامیؒ اور دادا حضورؒ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے صحافتی زندگی میں بھی قدم رکھا۔

حضرت مولاناؒ کو سیاست میں آکر قوم کو صحیح سمت کی آگاہی کا جذبہ اپنے دادا حضورؒ اور والد گرامیؒ سے ورثے میں ملا، اسی لیے وہ ساری زندگی بڑے اخلاص کے ساتھ جمعیت علماء اسلام سے وابستہ رہے اور آخر میں جمعیت علماء اسلام صوبہ پنجاب کے امیر تھے، ایک مرتبہ میں ان کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا، مجھے نصیحت فرماتے ہوئے یہ بات بھی ارشاد فرمائی: '' والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ: ''میں جمعیت علماء اسلام کا رکن بننے پر اپنے رب کی خوشنودی اور مغفرت کی اُمید رکھتا ہوں۔'' اَوْ کَمَا قَالَ !

۲۵؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۹ھ/ ۳؍ جنوری ۱۹۸۹ء کی بات ہے کہ میں اپنی ہمشیرہ کی شادی کے سلسلے میں لاہور میں تھا، حضرت مولاناؒ کے پاس بھی حاضر ہوا، آپؒ نے ارشاد فرمایا: ''حضرت والد صاحب (حضرت جیؒ) نے ہمیں تعلیم دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ: جب سے بالغ ہوا ہوں' اس وقت سے میری کوئی نفل نماز (تہجد، اشراق، چاشت، اوّابین وغیرہ) کبھی قضا نہیں ہوئی اور اگر بیماری میں کبھی ایسا ہو بھی گیا تو دن رات میں کسی بھی وقت یہ رکعتیں نفلوں میں پوری کر لیتا ہوں۔''(1) حضرت مولاناؒ کا کراچی کا آخری سفر جمادی الثانی ۱۴۴۵ھ/ جنوری ۲۰۲۴ء میں ہوا، معهد الخليل الإسلامي کراچی نے ختم بخاری شریف کے لیے دعوت دی تھی۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ پر کاتب الحروف نے بے ترتیب اور بے ربط چند سطریں لکھی ہیں، اس لیے کہ لکھنے کا ملکہ مجھے نہیں ہے، اللہ تعالیٰ اسے ہی قبول فرمائے، آمین۔

..... ۞ ..... ۞ ..... ۞ .....

(1) یادِ ماضی، ج:۱، ص:۱۳، قلمی نسخہ

قدیم تعمیر شدہ مساجد کی شرعی وقانونی حیثیت!

اکابرِ اُمت کی نظر میں

ادارہ

آج سے تقریباً ۶۵ سال قبل سنہ ۱۳۸۲ھ مطابق ۶۲ / ۱۹۶۳ء میں قدیم مساجد کی شرعی وقانونی حیثیت اور اُن کے سرکاری انہدام کے ارادوں سے متعلق ایک مفصل فتویٰ لکھا گیا تھا جو اُس وقت وسیع پیمانے پر طبع ہوکر اُمت کی رہنمائی کا ذریعہ بنا تھا، جس پر اُس وقت کے تقریباً تمام معروف اہلِ فتویٰ اور صاحبانِ علم کی توثیقات بھی ثبت ہیں۔ قدیم علمی ورثہ اور فی زمانہ دینی خیرخواہی اور شرعی رہنمائی کے لیے شاملِ اشاعت کیا جارہا ہے۔ (ادارہ)

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرعِ متین اس معاملہ میں کہ شہرِ کراچی کے وسط میں ایک ڈاک خانہ ہے اور اُس کے گوشہ میں نماز پڑھنے کا ایک چبوترہ' پاکستان اور تقسیم سے پہلے سے موجود تھا، جس پر لوگ نماز پڑھتے تھے۔ پاکستان کے قیام کے بعد نمازی بکثرت جمع ہوتے اور نماز جماعت سے ادا کرتے رہے۔ عام چندہ سے اہلِ محلہ نے ایک سائبان بھی ڈال لیا، ایک گز اونچی محراب کے گرد دیوار بھی تھی، حوض اور ٹونٹیاں بھی وضو کے لیے موجود تھیں۔ اہلِ محلہ اور ملازمانِ ڈاک خانہ نے اس کی تعمیر کا ارادہ کیا، اور ملازمانِ ڈاک خانہ نے از سرِ نو تعمیرِ مسجد کے لیے اپنے افسرانِ اعلیٰ سے درخواست دے کر اجازت بھی طلب کی اور اس محکمہ کے افسر اعلیٰ ڈائرکٹر جنرل اور پوسٹ ماسٹر جنرل نے اجازت تعمیرِ مسجد کی دے دی اور نقشہ دومنزلہ بھی تیار ہوکر منظور ہوگیا۔ بنیاد از سرِ نو تعمیرِ مسجد کے لیے ایک جلسہ ۱۰/اکتوبر ۱۹۵۲ء کو ہوا، جس میں معززینِ شہر، علماء، حکام، عوام سب شریک تھے اور عام مسلمانوں کے چندہ سے یہ مسجد دومنزلہ تعمیر ہوکر مکمل ہوگئی، اور دس سال سے عام مسلمان نمازِ جمعہ بھی ادا کرتے ہیں اور عام چندہ ہی سے اخراجات اس مسجد کے پورے ہوتے ہیں۔

عدالتی قانون کے تحت اب بتایا گیا ہے کہ یہ وقف اس لیے صحیح نہیں ہے کہ ڈائرکٹر جنرل

صاحب اجازت دینے کے مجاز نہیں تھے، وزارت سے اجازت لینا چاہیے تھا، عام مسلمان مسجد اور وقفِ عام ہی کی نیت سے اس کی تعمیر میں روپیہ لگا چکے ہیں۔ محکمہ نے کوئی ادنیٰ رقم بھی مسجد پر صرف نہیں کی ہے۔ از روئے شرع شریف اس مسجد کے لیے کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔ فقط والسلام المستفتی: محمد موسیٰ لطفی

اہلِ اسلام کے انتشار کو دور کرنے اور کلی اطمینان حاصل کرنے کے لیے اپنے مخلص احباب و دوستوں کی جد و جہد سے حضرات علماء کرام ومفتیانِ عظام سے مسجد متصل سٹی پوسٹ آفس جو کہ خالص لوجہ اللہ عام مسلمانوں نے مسجد کو مسجد اور وقفِ عام سمجھتے ہوئے از سرِنو تعمیر کیا ہے، اور معاندین کی نظرِ بد نے آپس ہی میں اس مسجد اور وقفِ عام کو زیرِ بحث بنا دیا اور یہ لفظی اور تحریری بحث طول پکڑ گئی۔

اس لیے یہ فتویٰ شرعی احکام اور کتاب وسنت کے مکمل دلائل کے ساتھ حاصل کر کے عام اطمینان اور شرعی حیثیت سے واقفیت کے لیے اس کو ہم شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ اُمید ہے کہ اب کسی متنفّس کو بھی مسجد کے وقفِ عام ہونے میں شک نہ رہے گا اور ہم سب پورے اجر وثواب کے مستحق ہوں گے۔ إن شاء الله تعالیٰ، وما توفيقي إلا بالله . ڈاکٹر محمد موسیٰ لطفی، صدر، کراچی نمبر: ۳

الجواب

مساجد شعائرِ اسلام میں سے ہیں۔ قرآن کریم اور حدیثِ نبوی (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) میں اُن کے شرف وفضل اور احکام کو مختلف جہات سے بیان فرمایا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں پہلے قرآن کریم کی آیات پر نظر ڈالیے، ارشادِ ربانی ہے:

''وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللهِ أَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا'' (البقرہ: ۱۱۴)

''اوراس سے بڑا ظالم کون ہے جس نے منع کیا اللہ کی مسجدوں میں اللہ کا نام لینے سے اور اُن کے اُجاڑنے کی کوشش کی۔''

آیتِ کریمہ جہاں مساجد کے شرف وفضل کو بیان کر رہی ہے، وہاں مساجد کے منہدم کرنے والے اور اس کی تخریب کی کوشش کرنے والے کی شدید مذمت کر رہی ہے اور ایسے شخص کو سب سے بڑا ظالم کہا جا رہا ہے۔ آیتِ کریمہ سے یہ بھی معلوم ہو رہا ہے کہ مسلمانوں کو مساجد کی تعمیر اور ان کی کثرت سے روکا نہیں جائے گا، بلکہ اس سلسلہ میں ان کی ہمت افزائی کی جائے گی، چنانچہ مفسر کبیر ابوعبداللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی اپنی تفسیر ''الجامع لأحكام القرآن'' میں اس آیت کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں:

''ولايمنع بناء المساجد إلا أن يقصدوا الشقاق والخلاف بأن يبنوا مسجدًا إلٰى جنب مسجد أو قربه، يريدون بذٰلك تفريق أهل المسجد الأول وخرابه.'' (ج:۲،ص:۷۸)

''مساجد کی تعمیر سے کسی کو روکا نہیں جائے گا، سوائے اس کے کہ تعمیر کرنے والوں کا ارادہ

اختلاف اور پھوٹ ڈالنا ہو، اس طرح کہ وہ کسی دوسری مسجد کے پہلو میں یہ مسجد تعمیر کریں اور اُن کا مقصد پہلی مسجد کے نمازیوں میں تفریق ڈالنا ہو۔''

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں رقم فرماتے ہیں:

''السعي في تخريب المسجد قد يكون لوجهين : أحدهما منع المصلين والمتعبدين و المتعهدين له من دخوله ، فيكون ذٰلك تخريبًا. والثاني بالهدم والتخريب.'' (ج:۱،ص:۲۸۳)

''مسجد کی تخریب کی کوشش دو صورتوں سے ہوتی ہے: ۱- نماز پڑھنے والوں اور عبادت کرنے والوں کو مسجد میں داخل ہونے سے روکنا۔ ۲-مسجد کو ویران اور منہدم کرنا۔''

اور سورۂ توبہ میں ہے:

''اِنَّمَا یَعۡمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰہِ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ وَلَمۡ یَخۡشَ اِلَّا اللّٰہَ فَعَسٰۤی اُولٰٓئِکَ اَنۡ یَّکُوۡنُوۡا مِنَ الۡمُہۡتَدِیۡنَ'' (التوبہ:۳)

''ہاں! اللہ کی مسجدوں کو آباد کرنا اُن لوگوں کا کام ہے جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لائیں اور نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ دیں اور بجز اللہ کے کسی سے نہ ڈریں۔''

آیتِ کریمہ کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کی مساجد حقیقۃً ایسے ہی اولوالعزم مسلمانوں کے دم سے آباد رہ سکتی ہیں جو دل سے خدائے واحد اور آخری دن پر ایمان لا چکے ہیں، جوارح سے نمازوں کی اقامت میں مشغول رہتے ہیں، اموال میں باقاعدہ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے، اسی لیے مساجد کی صیانت وتطہیر کی خاطر جہاد کے لیے تیار رہتے ہیں۔ آیتِ کریمہ سے یہ بھی بصراحت معلوم ہو رہا ہے کہ مساجد کی تعمیر کرنا کسی کے ایمان کی بڑی شہادت ہے۔ علامہ قرطبیؒ اس آیت کے ذیل میں تفسیر ''الجامع لأحكام القرآن'' میں رقم طراز ہیں:

''دليل على أن الشهادة لعمار المساجد بالإيمان صحيحة وقد قال بعض السلف: إذا رأيتم الرجل يعمر المسجد فحسنوا به الظن'' (ج:۸،ص:۹)

''آیتِ کریمہ اس امر پر دلیل ہے کہ مساجد کی تعمیر کرنے والوں کے ایمان کی شہادت صحیح اور درست ہے، اسی لیے بعض سلف کا قول ہے جب تم دیکھو کہ کوئی شخص مسجد کی آبادکاری میں کوشاں ہو تو اس کے ساتھ حسن ظن رکھو۔''

سورۂ نور میں ارشادِ الٰہی ہے:

''فِیۡ بُیُوۡتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنۡ تُرۡفَعَ وَیُذۡکَرَ فِیۡہَا اسۡمُہٗ یُسَبِّحُ لَہٗ فِیۡہَا بِالۡغُدُوِّ وَالۡاٰصَالِ'' (النور:۵)

''ان گھروں میں کہ اللہ نے حکم دیا ہے اُن کو بلند کرنے کا اور وہاں اس کا نام پڑھنے کا، یاد کرتے ہیں اس کی وہاں صبح اور شام۔''

اس سے پہلے کی آیات میں بتلایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نور سے تمام موجودات کی نمود ہے، پھر مؤمنین مہتدین کو اس نورِ الٰہی سے ہدایت وعرفان کا جو خصوصی حصہ ملتا ہے، اس کو ایک بلیغ مثال سے سمجھایا گیا ہے، اس کے بعد فرمایا جارہا ہے کہ یہ روشنی اللہ کے اُن گھروں (مساجد) میں ملتی ہے، جن کو بلند رکھنے اور اُن کی تعظیم وتطہیر کا حکم دیا گیا ہے اور یہ بتلایا گیا ہے کہ اُن کو ہمیشہ ذکر، تسبیح اور عباداتِ الٰہی سے آباد رکھا جائے۔ آیتِ کریمہ سے بصراحت مساجد کی تعظیم اور اُن کو آباد کرنے کا حکم معلوم ہورہا ہے۔

آیات کے بعد جب ہم احادیث کی طرف آتے ہیں تو اس بارے میں کثرت سے احادیث ملتی ہیں۔ اختصار کو مدِنظر رکھتے ہوئے یہاں چند احادیث پر اکتفا کیا جاتا ہے:

''عن أبي هريرةؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أحب البلاد إلى الله مساجدها وأبغض البلاد إلى الله أسواقها.'' (رواہ مسلم)

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: سب جگہوں میں پسندیدہ جگہ اللہ کے نزدیک مساجد ہیں اور مبغوض ترین جگہیں اللہ کے نزدیک بازار ہیں۔''

''عن عثمانؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من بنٰى مسجدًا يبتغي به وجهَ الله بنى الله لهٗ بيتًا مثلهٗ في الجنة.'' (بخاری)

''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جو شخص اللہ کی رضاجوئی کے لیے مسجد بناتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں اس کے مثل گھر بنائے گا۔''

''عن بريدةؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: بشر المشائين في الظُّلَمِ إلى المساجد بالنور التام يوم القيامة.'' (ترمذی)

''حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جو لوگ اندھیرے میں مسجد کی طرف جاتے ہیں ان کو قیامت کے روز نورِ تام کی بشارت دو۔''

بخاری ومسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے وہ روایت ہے جس میں اُن سات قسم کے لوگوں کا ذکر ہے جن کو اللہ تعالیٰ قیامت میں اپنے سایۂ رحمت میں جگہ دے گا، ان میں سے ایک قسم یہ بھی ہے:

''ورجل قلبهٗ معلّقٌ بالمسجد''..... ''وہ شخص جس کا دل مسجد میں اَٹکا ہوا ہے۔''

قرطبیؒ نے اپنی تفسیر میں آیتِ کریمہ ''فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ'' کے ذیل میں یہ حدیث درج کی ہے:

''رواه أنس بن مالك عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من أحب الله عز وجل فليُحِبَّني، ومن أحبَّني فليحبّ أصحابي، ومن أحب أصحابي فليحبّ القرآن، ومن أحب القرآن فليحب المساجد، فإنها أفنية الله وأبنيته، أذن الله في رفعها وبارك فيها ميمونة ميمون أهلها محفوظة محفوظ أهلها، هم في صلاتهم والله عز

وجل في حوائجهم ، هم في مساجدهم والله من ورائهم.''   (ج:۱۲،ص:۲۶۶)

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جوشخص اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے، اس کو چاہیے کہ وہ مجھ سے محبت کرے اور جو مجھ سے محبت کرتا ہے وہ میرے اصحابؓ سے محبت کرے اور جو میرے اصحابؓ سے محبت کرے وہ قرآن سے محبت کرے اور جو قرآن سے محبت کرے اس کو چاہیے کہ مساجد سے محبت کرے، کیونکہ یہ مساجد اللہ کے گھر ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے بلند کرنے کا حکم دیا ہے اور برکت رکھی ہے اُن میں، مسجد والے بھی برکت والے ہیں، یہ مسجدیں بھی اللہ کی حفظ وامان میں ہیں اور یہاں آنے والے یہ لوگ اپنی نماز میں لگے ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کی کارسازی میں۔''

دین میں مساجد کی اسی اہمیت کے پیشِ نظر شریعتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا ألف ألف تحية نے اسلامی حکومت کا فریضہ رکھا کہ وہ اسلامی حکومت کے زیرِ اثر شہروں اور آبادیوں میں مساجد تعمیر کرے اور بیت المال کی خاص مد سے اس کے مصارف برداشت کرے، چنانچہ فقہاء بیت المال کے مصارف کے سلسلے میں لکھتے ہیں:

''ورابعها فمصرفه جهات ... من أنه يصرف إلى المرضى والزمنى واللقيط وعمارة القناطر والرباطات والثغور والمساجد وما أشبه ذلك.''

(رد المختار، باب العشر، ج:۲، ص:۳۳۸)

ترجمہ: ''اور چوتھے حصے کے مصارف چند جہات ہیں کہ ان کو بیماروں، اپاہجوں اور لاوارث بچوں، پلوں، سراؤں اور سرحدوں اور مساجد پر صرف کیا جائے۔''

اور علامہ قرطبیؒ اپنی تفسیر میں ایک مقام پر فرماتے ہیں:

''قال أبوحنيفةؒ : ويبدأ من الخمس بإصلاح القناطر وبناء المسجد وأرزاق القضاة والجند ، وروي نحو ذلك عن الشافعي أيضًا.''   (ج:۷،ص:۱۱)

''امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: پانچویں حصہ کی تقسیم پلوں کی مرمت، مساجد کی تعمیر، قاضیوں اور فوج کی تنخواہوں سے شروع کی جائیں۔ امام شافعیؒ سے بھی اسی طرح روایت ہے۔''

لہٰذا اسلامی حکومت کے جہاں بہت سے فرائض ہیں، وہاں یہ بھی اہم فریضہ ہے کہ لوگوں کی ضرورت وحاجت کے پیشِ نظر مساجد تعمیر کریں۔ البتہ اگر بدقسمتی سے کوئی حکومت اس فریضہ کی ادائیگی میں کوتاہی کرتی ہے تو عوام پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنی ضرورت وحاجت کے پیشِ نظر مساجد کی تعمیر کرے اور امام وخطیب اور مؤذن کی تقرری اور تولیت کے انتظامات اپنے ذمہ لیں۔

دیکھیے! جمعہ اور عیدین کے انتظامات امام اور حکومتِ اسلامی کے فرائض میں سے ہے، بلکہ امامتِ کبریٰ کے مقاصد میں اس کو داخل کیا گیا ہے۔ فقہاء اسلام نے جہاں امامتِ کبریٰ (خلافت) کی ضرورت کو بیان کیا ہے، وہاں تصریح کی ہے:

’’والمسلمون لابد لهم من إمام يقوم بتنفيذ أحكامهم وإقامة حدودهم وسد ثغورهم وتجهيز جيوشهم وأخذ صدقتهم وقهر المتغلبة والمتلصصة وقطاع الطريق وإقامة الجمع والأعياد.‘‘ (رد المحتار، ج:۱، ص:۵۱۲)

’’مسلمانوں کے لیے ایک امام ہونا ضروری ہے جو احکام جاری کرے، حدود قائم کرے، سرحدوں کی حفاظت کرے، فوج کو تیار رکھے، زکوٰۃ وصول کرے، باغیوں، چوروں، ڈاکوؤں کو مقہور کرلے، جمعہ اور عیدین کی اقامت کرے۔‘‘

اب اگر کوئی اسلامی حکومت اس فریضہ سے غافل رہتی ہے تو یہ اس کی بہت بڑی کوتاہی ہے اور اپنے منصب سے غفلت ہے اور جب حکومت غفلت کرے تو عوام اور پبلک پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اس کے انتظامات کریں، چنانچہ فقہاء نے تصریح کی ہے:

’’ولهذا لو مات الوالي أو لم يحضر لفتنة ولم يوجد أحد ممن لهٗ حق إقامة الجمعة نصب العامة لهم خطيبًا.‘‘ (رد المحتار، ج:۱، ص:۷٤۸)

’’اسی لیے اگر کوئی مرجائے یا وہ فتنے کی بنا پر موجود نہ ہو اور کوئی ایسا آدمی بھی نہ ہو جس کو جمعہ کی اقامت کا حق ہے تو عوام اور پبلک اپنے لیے خطیب کے انتظامات کرلیں۔‘‘

اسی طرح اس قسم کے بہت سے اُمور میں شریعت نے عوام کو اختیارات دیے ہیں، مندرجہ ذیل جزئیات پر غور کیجئے: ’’رد المحتار‘‘ میں ہے:

’’ولهم نصب متولٍ وجعل المسجدين واحدًا أو عكسه لصلاة.‘‘

(رد المحتار، ج:۱، ص:٦٦۰)

’’اور عوام کو متولی مقرر کرنے اور نماز کے لیے دو مسجدوں کو ایک کرنے یا ایک مسجد کو دو مسجدیں کرنے کا حق حاصل ہے۔‘‘

’’البحر الرائق‘‘ میں ہے:

’’وفي الخانية طريق للعامة وهي واسع فبنى فيه أهل المحلة مسجدًا للعامة ولايضر ذٰلك بالطريق، قالوا: لابأس بهٖ، وهٰكذا روي عن أبي حنيفةؒ ومحمدؒ أن الطريق للمسلمين والمسجد لهم أيضًا.‘‘ (ج:۵،ص:۲۷٦)

’’خانیہ میں ہے: عوام کا ایک راستہ ہے اور وہ وسیع ہے، محلہ والے اگر اس میں مسجد تعمیر کرلیں اور اس تعمیر سے راستے کی آمد و رفت میں کوئی رکاوٹ نہ ہو تو فقہاء اس کو جائز سمجھتے ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ اور محمدؒ سے اسی طرح مروی ہے کہ راستہ بھی مسلمانوں کا ہے اور مسجد بھی انہی کی ہے۔‘‘

فتاویٰ عالمگیریہ میں مرقوم ہے:

’’ذکر في المنتقٰی عن محمد رحمه الله في الطريق الواسع بنٰی فیه أهل المحلة مسجدًا وذٰلك لایضر بالطریق ، فمنعهم رجل ، فلابأس أن یبنوا.‘‘ (ج:۲،ص:۴۵۶)

’’منتقٰی میں امام محمدؒ سے روایت ہے کہ ایک وسیع راستہ ہے، محلہ والوں نے اس میں مسجد تعمیر کر لی اور راستہ کی آمد ورفت میں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تو اگر کوئی شخص منع بھی کرے، تب بھی مسجد بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔‘‘

فتاویٰ حمادیہ میں ہے:

’’من الغیاثیة نهر لأهل قریة، فأراد جماعة أن یبنوا علیه مسجدًا فلابأس به.‘‘ (ج:۱،ص:۳۴۸)

’’فتاویٰ غیاثیہ میں ہے کہ کسی گاؤں کی نہر ہے، ایک جماعت اس کے اوپر اگر مسجد تعمیر کرلے تو کچھ حرج نہیں ہے۔‘‘

پاکستان بن جانے کے بعد حکومت کے جہاں اور اہم فرائض تھے، وہاں یہ بھی فریضہ تھا کہ آبادی کے تناسب سے جگہ جگہ مساجد تعمیر کرتی، یہ عجیب سی صورت حال ہے کہ یہاں کالونیاں اور بستیاں تعمیر کی جاتی ہیں جن میں ہسپتالوں، اسکولوں، کھیل کے گراؤنڈ اور سینماؤں کے لیے پہلے سے جگہیں مقرر کر لی جاتی ہیں، لیکن مساجد کے لیے آبادی کے تناسب سے جتنی ضرورت ہے اتنا لحاظ نہیں رکھا جاتا۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ باوجود اس امر کے کہ آج کل مسلمانوں میں روز بروز دینی انحطاط ہوتا جارہا ہے اور اس لیے نمازیوں کی تعداد میں برابر کمی ہوتی جارہی ہے، تاہم مساجد کی قلت میں فرق نہیں پڑتا اور نمازی اپنی ضرورت کے لحاظ سے اس بات پر مجبور ہوتے ہیں کہ وہ مناسب جگہ پر مسجد کی تعمیر کریں، لیکن اس صورت میں ہمت افزائی کرنے کی بجائے طرح طرح کی رکاوٹیں ڈالی جاتی ہیں۔ یہ عجیب سی صورت حال ہے، حکومت اس بارے میں جس قدر جلد نظر ثانی کرے بہتر ہے۔

اس تمہید کے بعد اس مسجد کے متعلق حکم شرعی تحریر کیا جاتا ہے جس کے متعلق استفتاء کیا جارہا ہے۔

شریعت کے احکام کی روشنی میں یہ مسجد ہوچکی ہے، اس کو نہ اب توڑا جاسکتا ہے اور نہ دوسری جگہ منتقل کیا جاسکتا ہے، دینی اُمور میں عدالتی قانون کو شرعی قانون کے مقابلے میں کوئی برتری حاصل نہیں ہے۔

اس کا مسجد ہونا چند وجوہ سے ظاہر ہے:

الف: جب ڈاک خانے والوں نے مسجد کے لیے ایک علیحدہ جگہ مقرر کر دی اور نماز پڑھنے کی اجازت دے دی تو یہ مسجد ہوگئی:

’’أشار بإطلاق قوله و یأذن للناس في الصلاة أنهٗ لایشترط أن یقول: أذنت فیه بالصلاة جماعة أبدًا، بل الإطلاق کاف.‘‘ (البحر الرائق ج:۵،ص:۲۶۹)

’’بنی في فنائه في الرستاق دکانا لأجل الصلاة یصلون فیه بجماعة کل وقت فلهٗ حکم

المسجد.'' (البحر الرائق، ج:٥،ص:٢٧٠)

''وقد رأينا ببُخارى وغيرها في دور و سكك في أزقة غير نافذة من غير شك الأئمة والعوام في كونها مساجد ، فعلى هذا المساجد التي في المدارس بجُرجانيّة خوارزم مساجد، لأنهم لايمنعون الناس من الصلاة فيها ، وإذا أغلقت يكون فيها جماعةٌ من أهلها.'' (البحر الرائق، ج:٥،ص:٢٦٩)

''جعل وسط داره مسجدًا وأذن للناس في الدخول والصلاة صار مسجدًا في قولهم.'' (البحر الرائق، ج:٤، ص:٢٧٠)

ب: جیسا کہ پہلے لکھا جاچکا ہے، عوام کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنی ضرورت کے لیے اگر مناسب سمجھیں تو شارعِ عام پر مسجد تعمیر کر سکتے ہیں، بشرطیکہ آمد ورفت میں کوئی خاص رکاوٹ نہ ہو اور ایسی صورت میں حکومت کو بھی اجازت دے دینا ضروری ہے۔ اہلِ محلہ اور ڈاک خانے والوں نے اپنے شرعی حق کو استعمال کیا ہے، لہٰذا اُن کا فعل درست اور اُن کی تعمیر کردہ مسجد' مسجد ہے۔

ج: ڈاکخانے کے ایک ذمہ دار کی اجازت دے دینا اور نقشہ کا منظور ہو جانا سب اِذن میں داخل ہے۔

د: دس سال سے حکومت کے سامنے نمازیں پڑھی جارہی ہیں اور ممانعت نہیں کی جارہی ہے۔

ھ: مسجد ایک مرتبہ تعمیر ہو جانے کے بعد ہمیشہ کے لیے مسجد ہو جاتی ہے، حتیٰ کہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ اگر کسی نے غصب کر کے زمین حاصل کر لی اور اس پر مسجد تعمیر کر لی تو غاصب سے یہ تو کہا جائے گا کہ مالک کو ضمان ادا کر دے، البتہ مسجد کو توڑا نہیں جائے گا۔ واللہ تعالیٰ أعلم وعلمه أتم وأحکم

کتبہ احقر العباد: ولی حسن عفی عنہ

دارالافتاء مدرسہ عربیہ اسلامیہ، کراچی نمبر: ۵

۱۳؍ رجب ۱۳۸۲ھ

الجواب صواب محمد یوسف بنوری عفی اللہ عنہ	صحیح الجواب واللہ اعلم بالصواب محمد عبدالرشید نعمانی غفر اللہ لہ	الجواب صحیح اکبر علی اسلام آبادی
الجواب صواب محمد خلیل مدرسہ اشرف العلوم باغبانپورہ، گوجرانوالہ ۳؍ ربیع الثانی ۸۳ھ، موافق ۲۳-۸-۲۴ء	الجواب حق صحیح قاری محمد یوسف ناظم تعلیماتِ قرآن، حیدرآباد اینڈ خیر پورڈویژن، مغربی پاکستان	الجواب صحیح فضل احمد غفر لہ صدر مدرس مدرسہ دارالعلوم الاسلامیۃ لکی مروت، ضلع بنوں
الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان	الجواب اصاب محمد موسیٰ عفی عنہ مدرسِ اعلیٰ مدرسہ قاسم العلوم، ملتان	اصاب المجیب محمد عبدالحق نافع عفی عنہ زیارت کا کا صاحب، تحصیل نوشہرہ، ضلع پشاور

الجواب صواب محمد ایوب بنوری غفرلہ شیخ الحدیث و مہتمم دار العلوم سرحد، پشاور شہر	الجواب صحیح محمد مجاہد خان الحسینی فاضل دیوبند، نوشہرہ کلاں، ضلع پشاور	الجواب حق سید حبیب اللہ شاہ معلم اعلیٰ جامعہ عباسیہ، بہاولپور
الجواب صحیح بندہ محمد اکبر خاں مدرس مدرسہ عربیہ اشرف المدارس گل امام، تحصیل ٹانک، ضلع ڈیرہ اسماعیل خان	الجواب صواب عبد الرقیب مہتمم جامعہ اسلامیہ پاکستان اکوڑہ خٹک، ضلع پشاور	ماقال المجيب العلامة فهو حق بلا ريب، والله أعلم عبدہ محمد شفیع عفی عنہ از سرگودھا (مفتی و مہتمم مدرسہ سراج العلوم و خطیب جامع مسجد سرگودھا)
الجواب صحیح محمد عبد القادر آزاد عفا اللہ عنہ جنرل سیکرٹری اسلامی مشن پاکستان، بہاولپور	الجواب صحیح عبد الغفور العباسی المہاجر بالمدینۃ المنورۃ	الجواب صحیح محمد رمضان غفرلہ میانوالی
الجواب صحیح عبدہ محمد صادق عفا عنہ سابق ناظم محکمہ اُمورِ مذہبیہ، بہاولپور	الجواب صحیح خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم مدرسہ خیر المدارس، ملتان	الجواب صحیح عبد اللہ عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس، ملتان
الجواب صحیح عبد اللہ غفرلہ مدرس مدرسہ رشیدیہ، منٹگمری [ساہیوال]	الجواب صحیح عبد الحکیم عفی عنہ مہتمم مدرسہ فرقانیہ مدنیہ، راولپنڈی	الجواب صواب محمد ادریس عفا عنہ مدرس مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی نمبر: ۵
الجواب صحیح فضل محمد عفا اللہ عنہ مہتمم مدرسہ قاسم العلوم، فقیروالی	الجواب صحیح عبد الحق غفرلہ مہتمم دار العلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک	الجواب صحیح عبد الحنان خطیب جامع مسجد صدر، راولپنڈی
	الجواب صحیح قاضی عبد الصمد سربازی قلات، قاضی القضاۃ محکمہ اُمورِ شرعیہ	

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب (مفتی اعظم پاکستان کراچی)

دار الافتاء مدرسہ عربیہ نیوٹاؤن کا فتویٰ متعلقہ مسجد پوسٹ آفس کراچی دیکھا، میرے نزدیک جواب صحیح ہے، اس مسجد کا مسجدِ شرعی اور وقف ہونا متعدد وجوہ سے ثابت ہے:

❶: یہ جگہ بناء پاکستان سے پہلے انگریزی حکومت کے زمانے سے مسجد بنی ہوئی ہے، جس میں باقاعدہ نماز بجماعت ہوتی ہے اور عام مسلمان اس میں شریک ہوتے ہیں جو مسجدِ شرعی ہونے کی واضح

علامت ہے، خصوصاً جبکہ اس وقت کے حکام نے اس پر کوئی اعتراض بھی نہیں کیا۔

❷: پاکستان کے ایک اسلامی مملکت بن جانے کے بعد ضرورت کے مواقع میں مساجد کی تیاری اور جو مساجد پہلے سے موجود ہیں، ان کی بقاء واستحکام کا فریضہ خود حکومت پر عائد ہوگیا اور اس نے بھی دس سال تک اپنے فرض کے مطابق اس کو قائم رکھا۔

❸: مسلمان اہلِ محلہ اور ملازمین پوسٹ آفس نے ضرورت محسوس کر کے اس کو پختہ بنانا چاہا تو حکومت کے ذمہ دار افسر پوسٹ آفس سے اجازت طلب کی، اس کی اجازت دینے اور نقشہ پاس کرنے کے بعد مطمئن ہوکر غریب مسلمانوں نے بڑی مقدار میں چندہ جمع کر کے اس کو دومنزلہ تعمیر کرالیا، سال بھر سے زیادہ تعمیر کا سلسلہ چلتا رہا۔ اس دوران میں بھی حکامِ بالا میں سے کسی نے اس تعمیر کو قابلِ اعتراض نہیں سمجھا۔

مذکورہ بالا وجوہ کی بنا پر بلا شبہ یہ جگہ وقف اور مسجدِ شرعی ہے، اس پر کسی قسم کی دست اندازی اور خلافِ شرع تصرف نہ عام مسلمانوں کے لیے جائز ہے، نہ کسی حکومت کے لیے، یہ کہنا کہ جس افسر نے اجازت دی ہے وہ قانونی طور پر اجازت دینے کا مُجاز نہیں تھا، اول تو اس لیے صحیح نہیں کہ اس کی اجازت کا تعلق مسجد کے مسجد بننے سے نہیں، کیونکہ وہ تو پہلے ہی مسجد بنی ہوئی تھی، بلکہ اس اجازت کا تعلق اُس کے نقشہ اور موجودہ تعمیر سے ہے، اب اگر فی الواقع وہ قانونی طور پر اس اجازت کا مُجاز نہیں تھا تو اس کا فرض تھا کہ افسر متعلقہ کی طرف رجوع کر کے اجازت دیتا۔ عوام کو ان قانونی موشگافیوں سے ظاہر ہے کہ واقفیت نہیں ہوتی، جب اس نے اجازت دے دی اور اس کی بنا پر مسلمانوں کے عام چندہ سے مسجد تعمیر کر لی گئی اور سال بھر سے زیادہ اس کی تعمیر کا سلسلہ جاری رہا، اس درمیان میں کبھی حکامِ بالا کی طرف سے بھی اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوا تو اب یہ حکومت ہی کی اجازت سمجھی جائے گی۔

اس اجازت کے بعد اس کو ہٹانا یا اس میں کوئی ایسا تصرف کرنا جو عام مساجد میں جائز نہیں' حکومت کے لیے بالکل غیر اسلامی اور ناجائز اقدام ہوگا اور مسلمانوں میں اضطراب وفتنہ کا موجب ہوگا۔

اگر فی الواقع قانونی ضابطہ پوری میں کوئی کمی رہ گئی ہے تو مسلم حکام بالا کے لیے مشکل نہیں ہے کہ اس کمی کو آج پورا کر کے خود بھی ثواب میں داخل ہوں اور مسلمانوں کو بھی اضطراب وانتشار سے محفوظ رکھیں۔

واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ أعلم

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ، دار العلوم کراچی نمبر: ۱

۱۴/ رجب ۸۲ ۱۳ھ

الجواب صحیح
سید اختر حسین عفی عنہ
مدرس دار العلوم دیوبند، ضلع سہارنپور (انڈیا)

الجواب صواب
بندہ محمد بدرِ عالم عفی عنہ
المدینۃ المنورۃ

ادارہ

برِصغیر میں فقہ حنفی کا ارتقاء (۱۵۲۶ء تا ۱۹۰۰ء)

تالیف وتحقیق: ڈاکٹر سید انور علی باچا صاحب۔صفحات: ۳۵۱۔ قیمت: درج نہیں۔ناشر: شمس پبلشر، ٹوپی، ضلع صوابی۔رابطہ نمبر: 0300-5069309

علمِ فقہ، قرآن وحدیث سے مستنبط علم ہے، جس سے شرعی مسائل واحکام مرتب ومدوّن شکل میں سامنے آئے۔ یوں تو فقہ کا وجود قرآن وحدیث کے وجود سے ہے، مگر باقاعدہ مستقل علم کے طور پر اس کے اصول، ضوابط، اور اصطلاحات پہلی صدی ہجری کے بعد مدوّن کیے گئے۔مختلف فقہی مسالک کا وجود بھی فقہی اصول وضوابط کے اختلاف کی بدولت وجود میں آیا، جن میں سے بعض فقہی مسالک تو وقت کی دھول تلے دَب گئے اور بعض کو شہرت ودوام نصیب ہوا اور اُمتِ مسلمہ کی اکثریت انہی معروف فقہی مسالک کی پیروکار رہے۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی فقہ حنفی کو اللہ تعالیٰ نے سب سے زیادہ شہرت اور مقبولیت عطا فرمائی، حتیٰ کہ کئی ملکوں اور ریاستوں کا سرکاری اور ریاستی مذہب قرار پائی اور باقاعدہ عدالتوں میں قانون کی حیثیت سے تسلیم کی گئی۔فقہ حنفی کا فیض جہاں دیگر علاقوں مصر، عراق، ترکی، وسط ایشیاء کی ریاستوں میں پھیلا، وہاں برصغیر میں بھی اس کو سرکاری مذہب کے طور پر قبول وعروج ملا۔ برِصغیر میں مغلیہ عہد حکومت کو فقہ حنفی کے عروج کا زمانہ کہا جاسکتا ہے، بالخصوص اورنگزیب عالمگیرؒ کا دور فقہ حنفی کے لیے سنہرا دور ہے۔

زیرِتبصرہ کتاب مؤلف ومحقق کا پی ایچ ڈی کا مقالہ ہے، جس پر ان کو علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری بھی تفویض کی گئی ہے، اس کے لیے انہوں نے محنت ومشقت کے ساتھ ملک بھر کے اسفار کرکے کتب خانوں سے متعلقہ مواد جمع کیا۔مؤلف نے اسی مقالہ کو مزید ترتیب دے کر شائع کیا ہے۔

کتاب کل پانچ ابواب پر مشتمل ہے، جو درج ذیل ہیں:

بابِ اول: برصغیر پاک وہند میں فقہ حنفی کا آغاز وارتقاء

بابِ دوم: برصغیر میں فقہِ حنفی کی تنفیذ و اشاعت میں مغل حکمرانوں کا کردار
بابِ سوم: برصغیر میں فقہِ حنفی کی تدوین و اشاعت میں قضاۃ اور مفتیان کا کردار
بابِ چہارم: برصغیر میں فقہِ حنفی کی ترویج و اشاعت میں مؤلفین اور فقہاء کا کردار
بابِ پنجم: برصغیر میں فقہِ حنفی کی ترویج و اشاعت میں مدارس کا کردار

اس کتاب میں قاری کو درج بالا عناوین پر بہترین تحقیق شدہ مواد مل سکتا ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر فقہاءِ حنفیہ کے حالات بھی تحریر کیے گئے ہیں۔ نیز ۱۵۲۶ء سے لے کر ۱۹۰۰ء تک کے مغل حکمران، قاضی، فقہاء، مفتیانِ کرام اور مؤلفین کا تعارف بھی کرایا گیا ہے۔ ان کے حالات کسی قدر تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں۔

محقق موصوف نے احوال واَبحاث کے جو نتائج اور خلاصہ جات لکھے ہیں، اس سے محقق کی قوتِ استدلال اور صلاحیت وملکہ کا اندازہ ہوتا ہے۔ نیز حوالہ جات سے اندازہ ہوتا ہے کہ مؤلف موصوف نے ہر موضوع پر بنیادی مصادر ومراجع کا مطالعہ کیا ہے۔

کتاب کا کاغذ اور طباعت مناسب ہے اور سرورق بہتر ہے۔ کتاب کی سیٹنگ مزید توجہ چاہتی ہے، اگلے ایڈیشن میں مناسب سیٹنگ کے ذریعہ کتاب کے صفحات کو مزید کم کیا جا سکتا ہے۔

فقہ حنفی سے دلچسپی رکھنے والے علماء، مفتیان، اساتذہ اور طلبہ کے لیے اس کتاب میں بہترین مواد ہے۔

..... ۞ ..... ۞ ..... ۞ .....